C 232
Sharh-e-Diwan-e-Ghalib
Asi, Lucknow

مکمل شرح

دیوان غالب

دار الاشاعت صدیقی ڈپو لکھنؤ

از آسی

[redacted]

صدیقی بک ڈپو امین آباد لکھنؤ
Year = 1931
(1)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ فریادی ہی کسکی شوخیِ تحریر کا کاغذی ہی پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مصنف مرحوم نے خود اس شعر کے معنی عود ہندی مین بیان کیے ہین کہ ایران مین رسم ہے کہ مستغیث کاغذ کے کپڑے پہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ یہ لباس گویا دادخواہی کا نشان قرار دیا گیا ہی مستغیث اس سے پہچانا جاتا ہے تو اس صورت مین شعر کے یہ معنی ہوتے ہین۔ کہ نقش یعنی تصویر کس نقاش کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ اس نے یہ لباس پہنا ہی یعنی نقاش حقیقی نے اس شوخی سے جس سے غالبا صفائی مراد ہے۔ تصویر انسانی کو صفحۂ ہستی پر کھینچا ہے کہ ہر تصویر اس شوخی سے فریاد کرتی ہے۔ اور اس جدائی سے جو ہستی کی صورت مین ظہور مین آئی ہے ہر تصویر نالان ہے مصنف نے اس خیال کو نہایت صفائی اور خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ کے یہان بھی ایسا ہی خیال ہی جس کی تصویر دوسرے الفاظ کے رنگ روغن کے ساتھ کھینچی گئی ہے کہ

بشنو از نے چون حکایت میکند   وز جدائی ہا شکایت میکند

کز نیستان تا مرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جیسے کرنے کی آواز اختیاری نہین ہی بلکہ اُس مین فطرتی یہ خاصہ موجود ہے کہ جب وہ نیستان سے جدا ہو گی اُس مین آواز پیدا ہوسکیگی اسی صورت سے تصویر کو لے لیجئے کہ جب وہ صفحہ کاغذ پر کھنچے گی اُس کا لباس کاغذی یعنی فریادیون کا ہو جاے گا۔ اِن دونون خیالون سے ایک بڑا زبردست نکتہ اور بہت باریک بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ مبدء حقیقی سے جدائی مین اضطراری حالت انسانی مصنوعی نہین ہے بلکہ وہ اس مین مجبور محض ہی۔ جدائی سے ایسی حالت کا پیدا ہونا ضروری ہی۔ اسی خیال کو بادی النظر مین آتش مرحوم نے ادا کیا ہے مگر وہ ادا نہین ہوسکا۔ فرماتے ہین کہ

حباب آسا مین دم بھرتا ہون تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

دریا کو انھون نے حباب سے اور حباب کو دریا سے جدا کیا ہے مگر در اصل حباب دریا سے

جدا نہین ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ

دریا سے حباب کی ہے جدا تو او ر نہین مین اور نہین
ملجاؤن گا تجھ مین بعد فنا تو آور نہین مین اور نہین

حباب دریا کا ایک قطرہ ہوتا ہے ہوا ایک نیا تماشہ دکھا دیتی ہے اور بادی النظر مین اُس کی یہ صورت ہو جاتی ہے۔

مولوی علی حیدر صاحب نظم نے اس شعر پر بہت کچھ لکھکر المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے جو صحیح نہین ہے اسمین کوئی ایسی بات نہین ہے نہ یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے کہ غالب کے منہ پر لوگون نے اس شعر کو بے معنی کہا تھا۔ اور اگر ایسا ہوا تو بھی غلط خیال ہے فریادی کے کاغذی کپڑے کی ایک رسم ضرور تھی اگرچہ آج نہین جیسا کہ اُستاد کہتا ہے۔

کاغذی جامہ بپوشیدہ بدرگہ آمد   زادۂ خاطر من تا بدہی داد مرا

کاوِ کاوِ سخت جانیہای تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہی جوئے شیر کا

کاؤ کاؤ۔ زخم کو نوچنا۔ اور کھودنا۔ یہان مراد ہے تکلیف اور محنت سے یعنی محنت اور تکالیف شب جدائی کو کچھ نہ پوچھو جدائی کی شام کی صبح کرنا اتنا دشوار ہے جیسے فرہاد کے لیے جوئے شیر کا شیرین کے باغ تک لانا۔ صبح کی سفیدی کو جوئے شیر سے تشبیہ دی ہے اور بلحاظ تشبیہ لفظ کاؤ کاؤ اس جگہ نہایت ہی عمدہ ہے۔

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے سینۂ شمشیر سے باہر ہی دم شمشیر کا

یعنی میرے شوق قتل کے جذبۂ بے اختیار کو دیکھئے کہ تلوار کے دم کو تلوار کے سینہ سے کھینچ لیا ہے اس شعر مین بے اختیار کا لفظ خصوصیت سے قابل داد ہی کیونکہ دم شمشیر کا سینۂ شمشیر سے باہر ہونا اختیاری نہین ہے دم سے مراد تلوار کی دھار۔

اسی قسم کا ایک شعر مرزا قوی صاحب لکھنوی کا اسی زمین مین ہے جو کہ اگرچہ اسی مضمون سے ماخوذ ہے مگر اس سے جدا ہے فرماتے ہین کہ

دل جگر دونون نکل آئے ہین پہلو توڑ کر   اللہ اللہ اشتیاق اک آنیوالے تیر کا

اگرچہ ایک فعل غیر معتاد کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر خوب شعر کہا ہے۔

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے ــــ مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

آگہی خواہ کسیقدر دام شنیدن بچھائے مگر میری تقدیر کے مطلب کو جو بمنزلۂ عنقا جس کا بقول حکما کوئی وجود نہین ہی تو شکار نہین کر سکتی یعنی میری تقریر کا مطلب نہین سمجھ سکتی۔ اس شعر مین دام شنیدن بچھانے کی خاش آگہی ہے اسی مضمون کو آسان الفاظ مین مرزا نے خود دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ ــــ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بسکہ ہون غالب اسیری مین بھی آتش زیر پا ــــ موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

آتش زیر پا بمعنی بے قرار یعنی چونکہ مین اسیری کی حالت مین بھی بے قرار ہون اسواسطے میرا ہر حلقۂ زنجیر مثل موئے آتشدیدہ بن گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آگ بال کو جب جلا دیتی ہے تو وہ پیچ تاب کھا جاتا ہے اور یہ نہایت عمدہ تمثیل ہے اس مین آتش زیر پا ایک ایسا لفظ رکھا گیا ہے جس کے نکلجانے پر شعر کا طلسم درہم برہم ہوجائےگا اور یہ کمال شاعری ہے کہ کوئی لفظ شعر مین ایسا رکھا جائے جسکے بغیر شعر بیکار ہوجائے۔

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ ــــ مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا

اے اسد تو غمخوار جان دردمند یعنی حضرت ناصح آپہونچے اور یہ چیزین جو انسان کے لئے باعث تکلیف ہین ہمارے لئے تحفہ لائے ہین یعنی انکی گفتگو میرے لئے رنج دہ ثابت ہوگی۔ یہ مبارکباد ازراہ تشنیع ہے اور ناصح کیواسطے ہجو ملیح ہے۔ الماس کے کھانے سے دل و جگر زخمی ہوجاتے ہین جیسے حضرت داغ ایک شعر مین فرماتے ہین ؎

آنسو نہ پیئے جائینگے اے ناصح نادان ــــ ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہین جاتی

مولانا نظم اپنی شرح مین لکھتے ہین کہ ایسا شخص جو زخم جگر کا شایق ہے الماس اُس کے لئے ہدیہ ہے مگر میرے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہین ہے۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار ــــ صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

یعنی سوائے قیس کے اور اس نے کسیکو ظاہر نہ کیا۔ اور کسیکو پسند نہ کیا۔ صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا۔ اسکے معنی یہ بھی ہو سکتے ہین کہ سوائے قیس کے اور کوئی اس مین نہین ظاہر ہوا شاید صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا کہ اور کسی کے لئے بجز مجنون کے یہ کافی نہین ہوا اس مین اپنی فوقیت مجنون کے اوپر ثابت کی ہے میرا ایک اسی مضمون کا شعر ہے ؎

درخور وحشت دل دامن صحرا نہ ہوا ــــ نبھ گئی قیس کی آسی کا گذارا نہ ہوا

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست ــــ ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

چونکہ میرے داغ سویدائے دل سے ہمیشہ آہ کا دھوان اُٹھتا ہے اس سے مین خیال کرتا ہون کہ اس داغ کی پیدایش بھی آشفتگی سے ہوئی ہے کیونکہ آشفتگی کے معنی پریشانی کے ہین یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہین کہ میری پریشان خاطری نے میرے دل پر ایک داغ قائم کردیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ داغ سویدا محض پریشانی سے جو دود کے مشابہ ہے پیدا ہوتا ہے یاد رکھئے ایسے اشعار جن مین اس قدر بلند پروازی کی جائے کہ وہ مغلق ہوجائین اور انمین کوئی معنی مستقل پیدا نہون قابل تحسین نہین ہوتے۔

تھا خواب مین خیال کو تجھ سے معاملہ ــــ جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

قاعدہ ہے کہ جن باتون کا آدمی کو دن مین خیال رہتا ہے وہی خواب مین بھی نظر آتی ہین مصنف کہتا ہے کہ میرا خیال خواب مین مجکو مخاطب بنا کر تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا جس مین میرا فائدہ تھا یا نقصان تھا مگر آنکھ کھلتے ہی وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ نہ نقصان باقی رہا نہ فائدہ رہا وہی مین تھا اور کنج تنہائی۔

لیتا ہون مکتب غم دل مین سبق ہنوز ــــ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

اس شعر مین تین چار لفظ ایسے جمع کیے گئے ہین کہ جنسے شعر بہت بلند ہوگیا ہے جن مین اول لفظ ہنوز ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا مکتب غم دل مین مدت سے سبق پڑھتا ہے۔ دوسرے رفت گیا اور بود تھا۔ یہ دو لفظ بہت جامع ہین جن سے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہین یعنی عیش کا زمانہ کبھی تھا اب گیا یا معشوق یا میرا دل کبھی تھا اور اب

وغیرہ اس مین خاص نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے انہین دو الفاظ کو ہمیشہ پڑھنے سے ایک ابھرے جنون کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ جو مکتب غم دل کے سبق کا خاص فائدہ ہے اور اس سے ایک خاص حالت کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ عرفی شیرازی نے بھی اپنے ایک شعر مین قریب قریب ایسا ہی مضمون ادا کیا ہے مگر محاکات عرفی کے شعر مین زیادہ ہین اور اسی وجہ سے غالب سے زیادہ وہ شعر اچھا ہے ؎

عشق میخوانم و می گریم زار　　　طفل نادانم و اول سبق است

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی　　　مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تھا

میری برہنگی کے داغ عیوب کو کفن نے ڈھانپ لیا ورنہ زندگی مین اگر کوئی لباس بھی پہنتا تب بھی مین ننگ ہستی ثابت ہوتا۔ ننگ وجود کو لفظ برہنگی سے ایک لگاؤ ہے ورنہ ننگ وجود اس محل پر کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا ایک میر کا شعر ہے ؎

دامن زخم نے کی اس سے مروت ورنہ　　　بسمل تیغ ستم دفن بھی عریان ہوتا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ　　　سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

یعنی کوہکن نے رسم کی پابندی کی اور تیشہ کے بغیر مر نہ سکا ورنہ عاشق کامل ہوتا تو یونہی مرجاتا چونکہ تشنیع کی راہ سے یہ شعر کہا گیا ہے اسلئے ایسے ہی الفاظ بھی لائے گئے ہین سرگشتہ خمار رسوم و قیود یعنی رسوم دنیوی کی شراب کے خمار نے اسکا سر پھرا دیا تھا اور خمار ایک نہایت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ مومن مرحوم بھی ایک جگہ ایسا ہی کچھ فرماتے ہین۔

جوش وحشت ہے یہ ناصح نہ پنھا نا زنجیر　　　دیکھ دیوانہ نہ ہو مین نہین پابند رسوم

خود مرزا فرماتے ہین ؎

ترا بجز بہ چہ حاجت نہ آن بود غالبؔ　　　کہ جان بہ لذت آویزش درون نہ دہد

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا　　　دل کہان کہ گم کیجے ہمنے مدعا پایا

تم جو ہم سے یہ کہتے ہو کہ اگر تیرا دل کہین ہم کو پڑا مل گیا تو پھر ہم نہ دینگے ہمارے پاس دل کہان ہے کہ اب گم ہوگا۔ بس آپکا مطلب ہم سمجھ گئے کہ ہمارا دل آپ کے پاس ہے اور آپ اس کو دینا نہین چاہتے۔ پڑا پایا۔ دلی کی زبان ہے لکھنؤ مین پڑا ملا۔ بولتے ہین۔ اور اس کو زیادہ فصیح سمجھتے ہین۔ ایکمرتبہ یہان کے ایک شاعر کے سامنے مین نے اپنا یہ شعر پڑھا

مین تو یون رویا کہ دل میرا گیا　　　تم جو ہنستے ہو تمھین کیا پا گیا

انھون نے فرمایا کہ پا گیا بجائے مل گیا کے ہمارے یہان نہین بولتے۔ واللہ اعلم

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا　　　درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

میری زندگی بغیر عشق کے بے مزہ تھی اس سے مجھے زندگی کا مزہ ملا۔ یہ میرے درد کی دوا ہے مگر یہ دوا یعنی عشق خود درد بے دوا ہے۔ عوام بجائے بے دوا کے لادوا کہتے ہین جو صحیح نہین ہے۔ اسی مضمون کو مولانا ظہوری ترشیزی نہایت اعلیٰ الفاظ مین ادا فرماتے ہین۔

شد طبیب ما محبت منتش بر جان ما　　　محنت ما۔ راحت ما۔ درد ما۔ درمان ما

اور مولانا روم نے بھی اسی مضمون کو اپنے واعظانہ لہجہ مین یون ادا فرمایا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم　　　آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

کہا گیا ہے کہ دنیا مین تین طرح کے دوست اور تین طرح کے دشمن ہوتے ہین اپنا دوست۔ دوست کا دوست۔ دشمن کا دشمن۔ یہ سب دوست ہین۔ اپنا دشمن دوست کا دشمن۔ دشمن کا دوست یہ سب دشمن ہین مصنف اسی کو کہتا ہے۔ کہ دل میرے دشمن کو دوست رکھتا ہے یعنی معشوق کو پھر اس کا اعتبار کیسا۔ کیونکہ یہ خود ایک دشمن ہے اور اسیوجہ سے اس کا نالہ و آہ سب بے اثر ہے یہ مضمون عام ہے ہر دیوان مین ایسے بہت سے شعر ملین گے مگر مصنف نے پہلے مصرع مین توجیہ کر کے کچھ جدت سے کام لیا ہے۔

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہمنے اپنا دل　　　خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

یہ ایک نہایت باریک مضمون ہے مگر جناب نظم نے اپنی شرح پر کچھ توجہ نہین فرمائی اور صرف اتنا لکھدیا ہے کہ ایک عاشق بے دل غنچہ پر یہ گمان ظاہر کرتا ہے کہ یہی میرا دل ہے جو مدت سے کھویا ہوا تھا اور جناب حسرت صاحب موہانی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن اتنا اور زیادہ فرمایا ہے کہ آمد بہار سے جوش جنون تازہ ہوا ہے حالانکہ الفاظ بتاتے ہین کہ مصنف کا منشا کچھ اور ہے کہ اگلی بہار مین خزان کے آنے پر ہمارا دل خون ہوگیا تھا اور گم ہوگیا تھا۔ اب غنچہ پھر کھلنے لگا تو آج

اپنا وہی خونشدہ دل ہم کو نظر آیا اور اسی مضمون کو تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ مصنف نے کئی جگہ ادا کیا ہے منجملہ اُنکے ایک یہ ہے

سب کہاں کچھ لالہ و گل مین نمایاں ہو گئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی جو پنہاں ہو گئین

حال دل نہین معلوم لیکن اسقدر یعنی
ہمنے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

ہم کو اپنے دل کا اور کچھ حال معلوم نہین صرف اسقدر معلوم ہے کہ ہم نے اس کو بار بار ڈھونڈھنے پر نہین پایا۔ اور تمنے اسکو بارہا پایا مگر کچھ پروانہ کی۔

شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تمنے کیا مزا پایا

ناصح کے شور پند نے میرے دل کے زخمون پر خوب نمک چھڑکا کوئی حضرت ناصح سے پوچھے کہ آپکو اس نمک چھڑکنے سے کیا مزا آیا۔ شور پند سے نمک چھڑکنا۔ قابل داد ہے۔ نمک شور مزا وغیرہ مین تناسب الفاظ بھی ہے لطف یہ ہے کہ میرے زخمہائے دل کو اس مین بھی اک لطف آتا ہے۔

دل مرا سوز نہان سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

سوز نہان۔ اور آتش خاموش نہایت مناسب الفاظ ہین یعنی میرا دل سوز نہان سے ایسا چپکے چپکے جل گیا کہ کسیکو خبر بھی نہ ہوئی۔ جیسے کہ آتش خاموش آہستہ آہستہ جل جایا کرتی ہے یہی دل کی کیفیت ہوئی ہے

آتش الفت بھی کیا ہی آتش خاموش ہے
اُڑ گئے دل کے دھوئین لیکن دھوان کوئی نہین

غالب کے اس مطلع مین مصرع ثانی کا قافیہ اور ردیف بیکار ہے۔

دل مین ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہین
آگ اس گھر مین لگی ایسی کہ جو تھا جلگیا

عشق سے میرے دل مین ایک ایسا سوز و گداز پیدا ہوا کہ اس سے ایک آگ بھڑکی اور اس سے تمام دل و جگر جل کے خاک سیاہ ہوگیا نہ یاد یار باقی رہی۔ نہ ذوق وصل رہا۔ مولانا نظم نے آگ بھڑکنے کا سبب رشک کو ٹھہرایا ہے مگر مین نہین سمجھا کہ معنی رشک کن الفاظ سے مترشح

ہوتے ہین اسی مضمون کو میر تقی میر علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ے

عشق کی سوزش نے دل مین کچھ نہ چھوڑا کیا کہین
لگ اُٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر سب پھک گیا

یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ بات غور کے قابل ہے کہ یہ مضمون میر کے شعر سے لیا گیا مگر غالب کے یہاں بہت چست الفاظ مین نظم کیا گیا ہے اور میر کے یہان معمولی طریقہ سے اور اسی وجہ سے نہ یہ شعر محض سرقہ کے الزام سے جدا ہے بلکہ اُردو زبان کی ترقی کہی جاسکتی ہے اسی مضمون سے لگ بھگ مضمون جناب آرزو صاحب لکھنوی کے یہان بھی پایا جاتا ہے اور یہی زمین ہے مگر ہم بلا فرو رعایت کے یہ کہدینے کے لئے تیار ہین کہ اگر نقش اول اور نقش ثانی کے خیال اور موجد و مقلد کی تمیز کو اٹھا دیا جاتا ہو تو میر کے یہان سے غالب کے یہان اور غالب کے یہان سے جناب آرزو کے یہان بہت اچھے طریقہ سے یہ مضمون نظم کیا گیا ہے اسپر وہ حضرات خصوصیت سے غور فرمائین جو دیکھنا چاہین کہ ترقی خیال کیونکر ہو سکتی ہے۔ شعر یہ ہے۔

پہلے تھی فکر آگ حسرت خانۂ دل کی سنجھے
اب ہے اسکی جستجو کیا رہ گیا کیا جل گیا

جناب آرزو کے کئی شعر اس غزل مین چست ہین۔

مین عدم سے بھی پرے ہون ورنہ غافل بارہا
میری آہ آتشین سے بال عنقا جل گیا

پرے دلی کا محاورہ ہے اور تھا۔ لیکن لکھنو کا محاورہ نہین ہے بلکہ یہان کے لوگ اس کو بنگاہ نفرت دیکھتے ہین غالب خود ایک جگہ اور کہتے ہین کہ ے

ہو پرے سر حد ادراک سے اپنا مسجود
کعبہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

غرض وہان یہ لفظ بے تکلف لکھا جاتا ہوا ور ظاہرا اسمین کوئی نقصان بھی نہین معلوم ہوتا کہ اسے ترک کیا جاسے اس سے سوا سے اس کے کہ اُردو کے دائرہ زبان کو تنگ کیا جائے اور کوئی نتیجہ نہین ہے۔

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ مین اب عدم سے بھی آگے ہون یعنی میری نیستی عدم کے درجہ سے بھی بڑھ گئی ہے ورنہ جب مین عدم کے درجہ مین تھا تو عنقا سے ملاقات ہوتی تھی جو خود درجہ نیستی مین ہے اور اس وقت اُسکے بازو میری آہ آتشین سے پھک جاتے تھے مگر اب وہ وقت نکل گیا مین عدم سے بھی آگے بڑھ گیا اسی مضمون کو میرزا عبد القادر صاحب بیدل عظیم آبادی فرماتے ہین

ہمچو عنقا بے نیاز عرض ایجادیم ما
یعنی آن سوئے عدم یک عالم آبادیم ما

یعنی مثل عنقا ہم عالم دنیا مین ظاہر ہونے سے بے نیاز ہین عدم سے اُس طرف (یعنی عدم سے پرے) ہم اور وہ ایک عالم مین آباد ہین مگر غالب نے شعر مین یہ ترقی کی ہی کہ عنقا کو محض عدم مین رکھا اور اپنے آپکو اُس سے ممتاز درجہ مین ظاہر کیا اسیوجہ سے یہ مضمون میرزا غالب مرحوم کا مضمون کہا جاسکتا ہے ورنہ ترجمہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا۔

عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہان ۔۔۔ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اس مین اپنی جوہر اندیشہ کی گرمی کو عجب طریقہ سے ظاہر کیا ہے اور یہ طرز بیان ہی اس شعر مین زیادہ تر پسندیدہ ہی یعنی کہتا ہی کہ مین اپنے جوہر اندیشہ کی گرمی کا کیا اظہار کرون ذرا وحشت اور صحرا نوردی کا خیال کیا تھا کہ صحرا مین آگ لگ گئی اس سے مراد یہ ہے کہ میرے جوہر اندیشہ مین آتنی سوزش اور گرمی موجود ہے۔ عرض جوہر کے مناسبات سے بفتح راے مہملہ صحیح بہ سکون غلط ہی۔ جوہر وہ جو بالذات قائم ہو۔ عرض وہ جو بذات دیگر قائم ہو۔ مگر یہان عرض بمعنی ظاہر کرنا اور جوہر استعارہ ہی اندیشہ سے بمعنی ذات۔ اصل وغیرہ۔ ایسا ہی ایک مضمون ہے جس کو جناب آرزو صاحب اسی زمین کے ایک شعر مین یون ادا فرماتے ہین اور وہ اس سے صاف ضرور کہا جاسکتا ہے زیادہ کچھ نہین۔

آرزو سبز بختی کے اثر کی پیشقدمی دیکھئے ۔۔۔ جسکی شادابی پسند آئی وہ صحرا جل گیا
ہی یہ ادنی اسا مری سوختہ بختی کا اثر ۔۔۔ جس گلستان پہ نظر کی وہ گلستان نہ رہا

دل نہین ہی ورنہ دکھاتا تجکو داغون کی بہار ۔۔۔ اس چراغان کا کرون کیا کار فرما جل گیا

دل مین اتنے داغ تھے کہ اب دل مٹ گیا اور بجاے دل چند داغ رہ گئے ہین اسی لئے افسوس کے لہجہ مین مصنف کہتا ہی کہ افسوس داغون کی بدولت جو یہ چراغان ہی اسکی اب کوئی بہار نہین ہی کیونکہ یہ چراغان جس کی بدولت تھا اور جو اس کا کار فرما یعنی مہتمم تہا وہ اسی چراغان سے جل گیا۔ چراغان ایک قسم کا تماشہ ہے جسمین جابجا چراغ جلاے جاتے ہین اور ایک قسم کا عذاب بھی ہی نہایت اعلیٰ شعر ہے اسی مضمون کو ایک جگہ مین نے بھی کہا ہے مگر اس مین مضمون کو کچھ بدل دیا گیا ہی جس سے صرف سرقہ کی حد سے جدا ہے ؎

ہوتا جو دل تو تم کو دکھاتا مین داغ دل ۔۔۔ اب کیا کرون کہ اب تو نہ دل ہی نہ داغ ہی

…محمود دہلوی اس مضمون کو کہ دل مٹ گیا داغ رہ گیا یون فرماتے ہین۔

خدا بخشے دل مرحوم کی اب قدر جانی ہی ۔۔۔ یہ داغ آرزو اُس مرنیوالے کی نشانی ہی

…خود مصنف نے تہوڑے سے تغیر کے ساتھ اس مضمون کو دوسری جگہ یون ادا کیا ہے۔

…دکھادونگا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے ۔۔۔ مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا

یعنی اگر یہ دل رہ گیا اور اس کے داغ یونہی دن رات ترقی کرتے رہے تو تجکو تماشہ دکھاؤنگا کہ کبھی یہ سرو چراغان ہوجائیگا اور اسمین اک بہار آجائے گی۔

…ہون اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل ۔۔۔ دیکھکر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

اس شعر مین نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا ہے تو اب افسردگی کی آرزو ہے جلنے کے …بعد ہی افسردگی پیدا ہوتی ہے اہل دنیا اور احبا اور اعزا وغیرہ کی شکایت غالب کا حصہ …اور اس قسم کے شعر اُن کے یہان بہت ہین اور دُکھے ہوے دل سے جو شعر اس بارہ …اُن کے قلم سے نکلا ہے بیمثل ہے جیسے کہ فرماتے ہین ؎

گردہم شرح ستمہاے عزیزان غالب ۔۔۔ رسم امید ہمانا زجہان برخیزد

…ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا ۔۔۔ قیس تصویر کے پردہ مین بھی عریان نکلا

ہر رنگ بمعنی ہر طرح رقیب کے اصل معنی نگہبان کے ہین اور مجازاً بمعنی دشمن مستعمل ہے …سے مراد یہان عشق ہی یعنی شوق ہر حال مین سر و سامان کا دشمن رہا قیس کی تصویر بھی …کھینچی رنگ اور پردہ وغیرہ تصویر کے مناسبات سے ہین۔ اس مین بمقابلہ محاورہ کے …الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے جو غیر مناسب تھے کیونکہ مناسب الفاظ کا قدرتاً بیساختگی …ساتھ نظم ہوجانا حسن شعر ہے اور اس کے واسطے آورد کی تکلیف اٹھا کر شعر کو گنجلک …بدترین عیوب مین سے ہے۔ اسمین شاعر کو دہوکہ ہوتا ہے اور کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتا …ہے کہ آپ غالب ہی کے گزشتہ شعر مین پڑھ چکے ہین جو اس مضمون سے کچھ مشابہ بھی ہے

…تہا کفن نے داغ عیوب برہنگی ۔۔۔ مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تہا

…محض تناسب الفاظ کے لیے ہے باقی خیریت ہے۔

…نے وا دنہ دی تنگی دل کی یارب ۔۔۔ تیر بھی سینہ بسمل سے پرافشان نکلا

تنگدل رنجیدہ دل کو کہتے ہین اس جگہ لفظ سے معنی کا فائدہ اٹھایا ہے یعنی میرا دل تنگ تھا اور سمین زخم فراخ تھا تو اس زخم نے میری تنگدلی کی داد نہ دی کہ مین نے اس تنگدلی کے باوجود اتنا بڑا زخم کھایا اور یہی سلوک میرے ساتھ تیر نے کیا کہ وہ پر افشان میرے دل سے نکلا یعنی تیر کو پر افشانی ایسے موقعہ پر نہ کرنی چاہیئے تھی بلکہ میری تنگدلی پر نگاہ چاہیئے تھی اگر بقول دیگر شارحین پر افشانی کے معنی پھڑ پھڑانے کے لئے جائین تو بھی غم و افسوس کی صورت پیدا ہوتی ہے تب بھی مصنف کی غرض اصلی فوت نہین ہوتی اس کا پھڑ پھڑانا دل زخمی کے لیے ویسا ہی باعث تکلیف ہے جیسا کہ تنگی دل کی داد نہ تنگی دل کے مضمون کو مصنف مرحوم نے کئی جگہ مختلف طریقون سے لکھا ہے منجملہ انکے

کیا تنگ ہم ستمزدگان کا جہان ہے — جسمین کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ — اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

تیری بزم سے جو کوئی نکلتا ہے وہ پریشان ہوکر نکلتا ہے۔ وہ بوئے گل ہو یا نالۂ دل چراغ محفل کا دھوان ہو۔ مولوی علی حیدر صاحب نظم نے نکلنے کو محض باعث پریشانی ہے اگرچہ یہ بھی ایک اچھا پہلو ہے۔ مگر یہان جو چیزین جمع کی گئی ہین انمین بالذات پریشانی کا مادہ موجود ہے۔

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد — کام یارون کا بقدر لب و دندان نکلا

یعنی میرا دل لذت درد کا ایک دسترخوان تھا جسپر انواع و اقسام کے درد موجود دوستون نے بہت کم غم کھایا یعنی میرا غم جسقدر کھانا چاہیئے تھا اتنا غم کسی نے نہ کھایا دندان۔ کم کے معنی مین آتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ صرف میرے غم مین ہونٹ ہی کاٹتے رہے اس سے زیادہ کچھ کرنا چاہیئے تھا۔

اے نوآموزِ فنا ہمت دشوار پسند — سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

ہمت دشوار پسند موصوف ہے اور نوآموز فنا اسکی صفت ہے یعنی اے ہمت دشوار

پسند باوجودیکہ درس فنا بہت مشکل تھا مگر تونے بہت آسانی سے اس سبق کو حاصل کر لیا۔ گویا تیرا پہلا سبق درس فنا ہو گیا۔ فنا کا درس سبق آخری ہوتا ہے مگر تونے اول ہی مین اسے ختم کر دیا اب تیرے لیے کونسا دشوار کام تجویز کیا جائے۔ مین نے اس غزل پر قافیہ بہ قافیہ غزل لکھی تھی اس مین اس خیال کو محض اسی لیے بہت آسان الفاظ مین ادا کیا تھا۔ اس کو اسی شعر کی شرح سمجھ لیجئے یا جو جی چاہے۔ مگر یہ ضرور کہونگا کہ سرقہ کی حد سے باہر ہے۔

تنگ ہے عشق کی دشوار پسندی مجھ سے — مجکو مرنا بھی شب ہجر مین آسان نکلا

ہین پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب — آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

رونے مین جو مین نے کچھ ضبط سے کام لیا تھا اور کوئی قطرہ میری آنکھ مین رہ گیا تھا اس قطرے نے دل مین پھر اک شور اٹھا رکھا ہے۔ گویا نہ نکلنے والا قطرہ طوفان تھا۔

دھمکی مین مر گیا جو نہ باب نبرد تھا — عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

باب نبرد یعنی لائق نبرد۔ جو لائق نبرد نہ تھا وہ عشق کی دھمکی مین مر گیا۔ اور عشق نبرد پیشہ مرد نبرد پیشہ چاہتا تھا۔ یہ ایسا ہی شعر ہے جیسے مرزا غالب مرحوم خود ایک اور جگہ لکھتے ہین

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق — ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

تھا زندگی مین موت کا کھٹکا لگا ہوا — اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

یعنی جب مین زندہ تھا تو موت کا ڈر لگا ہوا تھا میرا رنگ اڑ کر صرف موت ہی کے وقت زرد نہین ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی زرد تھا یعنی میری موت اور زندگی کی حالت یکسان ہے اس قسم کے شعرا کے یہان بہت سے مضمون پائے جاتے ہین کہ زندگی مین موت کا فکر رہا اور مر کر قبر مین غم۔ مگر غالب نے دوسرا مصرع نئی ترکیب سے کہا ہے اور اس لیے یہ مضمون غالب کا حصہ ہو گیا اور یہ شعرا اردو کا بہترین شعر ہے۔

تالیف نسخہائے وفا کر رہا تھا مین — مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

مین فن عشق مین کامل ہون وفا کا نسخہ مین تصنیف کر رہا تھا اور ابھی پورے طریقہ سے میرا

خیال جمع نہ ہوا تھا یعنی ہنوز عاشقی مین بڑا تجربہ کار اور صاحب مرتبہ نہین ہوا تھا۔

دل تا جگر کہ ساحل دریائے خون ہے اب　　اس رہگذر مین جلوۂ گل آگے گر

دل سے جگر تک اب ایک دریائے خون ہے اور پہلے یہی رہگذر تھی جسمین بڑی بہار تھی کہ
گل بھی اسکے سامنے حقیقت نہ رکھتا تھا رہگذر کے لیئے۔ گرد۔ کا محاورہ نہایت برجستہ صرف ہ
اس شعر مین موجودہ اور گزشتہ زندگی کا تقابل کیا گیا ہے ایسے مضامین مین جگر کاوی بیکار
اب آپ ایک شعر اسی مضمون کا مرزا داغ کا سنیئے انہون نے کوہ کندن و کاہ برآمدن سے کام نہ
ہی سیدھی سیدھی بات سادگی کے ساتھ کہتے ہین مگر غور فرمایئے گا تو آمد و آورد کے معائب محا
پیش نظر ضرور ہو جائینگے ؎

کبھی یہ دل تماشا گاہِ صد عیش و مسرت تھا　　اب اس مین حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی　　دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد

اندوہِ غم عشق کی کشمکش سے کسیطرح رہائی نہین ہو سکتی اگرچہ اب دل نہین رہا مگر دل کا در
موجود ہے۔ دل کے درد سے مراد دل کے چلے جانے کا درد ورنہ اگر دل کا درد یعنی دل مین درد
جیسے کہ دوسری شرحون مین یہ معنی بیان کئے ہین تو یقینی شعر مہمل ہو جائے گا دل نہین ہے ا
دل مین درد ہے یعنی چہ ؎

افراط رنج ہجر ستمگار الاماں　　پہلو مین درد رہ گیا اور دل نہین رہا

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے　　زندان میں بھی خیال بیابان نورد

احباب نے میری وحشت کا یہ علاج کیا کہ مجھے قید رکھا مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی میرا
اُسی طرح جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ خود مرزا نے اسی مضمون کو دوسری جگہ یون ادا کیا

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہین　　ایک چکر ہے مرے پاؤن مین زنجیر نہین

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد

آزاد مرد سے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ لاش کو بے کفن ثابت کیا ہے اور یہ محاورہ نہایت

صرف ہوا ہے اور اس صورت سے یہ شعر ہمیشہ ہو گیا ہے ذوق مرحوم کے یہان بھی ایک شعر اسی
مضمون کا ہے مضمون دونو نکا وقیق نہیں ہے عام ہے سرقہ وغیرہ کا گمان ایسے مضامین پر نہین کیا
جاسکتا البتہ یہ ضرور غور کیجئے کہ جب دو استاد ایک ہی مضمون کو لکھتے ہین تو کس کس طرح سے
ادا کر جاتے ہین کہ سننے والون کو دونون مین ایک نیا لطف پیدا ہوتا ہے ؎

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا　　کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

مگر غالب کے شعر کو یہان اس لیے ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اسمین ایک محاورہ اسقدر برمحل صرف
ہوا ہے کہ جس کا جواب نہین ہے میرے مکرم استاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاوٹھوی
اپنی خاص زبان مین محاورات کے پردہ مین اس مضمون کو یون ادا فرماتے ہین۔

لوگ کہتے ہین کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا　　ہائے کیا کمبخت کو رکھی ہوئی سی آ گئی

حق استادی سے قطع نظر کرکے میرے نزدیک یہ اس مضمون کا بہترین شعر ہے۔ رکھی ہوئی سی آ گئی
ممکن ہے کہ لکھنؤ کا محاورہ نہو۔ مگر دلی کا ایک محاورہ ہے جو اسی موقع کے لیے وضع ہوا ہے ایک
میرا شعر اسی مضمون کا ہے ؎

خدا آسی کو بخشے اسکی باتین یاد آتی ہین　　بڑا سیدھا مسلمان تھا بڑا سچا مسلمان تھا

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا　　تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

یعنی تسبیح گننا بت مشکل پسند کو پسند آیا اور یہ اسلئے کہ ایک دم سو دل (جو سو دانون سے
مراد ہے) اڑا لیے۔ اس شعر مین تعقید ہے اور ظاہرا ایسے مضمون کو کوہ کندن و کاہ برآوردن
سے زیادہ وقعت نہین دیجا سکتی بت کی صفت مشکل پسند اس واسطے رکھی ہے کہ تسبیح بت
کے لیے ایک مشکل اور فعل غیر معتاد ہے اس شعر کے معانی کی اور بھی تاویل کی گئی ہے جس سے
ممکن ہے کہ غالب واقف بھی نہون لہذا لکھنا فضول ہے نظم صاحب کی شرح مین لکھے ہین تسبیح کے
سو دانون پر ایک شعر یاد آگیا جس کا لکھنا مین لطف سے خالی نہین سمجھتا اور اس سے یہ سمجھ مین
آتا ہے کہ مضمون کیسا ہی باریک ہو کتنا ہی عمدہ ہو اگر بے تکلف ادا ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ
کچھ نہین ایک عام مضمون جو آمد سے بھرا ہو وہ اس سے اچھا خواہ کتنا ہی تبذل ہو ؎

کشت لاحاصل صد سالہ ہے زاہد تسبیح　　کوئی سر سبز ہوا بھی ترے سو دانون مین

یہ مضمون کوئی نیا مضمون نہین ہے غالب کے یہان مضمون نیا ہے مگر بندش چست نہین۔

بہ فیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آسان ہے — کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

امید اور ناامیدی سب دل کے ساتھ ہے جب دل نہین رہا تو کوئی امید باقی نہین رہی اور اس صورت مین ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہوگئی- اور نومیدی کو آسان اس لیے کہا ہے کہ دل موجود ہونے کی حالت مین ناامیدی ہوجانا باعث تکلیف ہے اور نہونے کی حالت مین آسان ہے فکر کشایش نے ہمارے دل کو جو بصورت عقدہ ہے پسند کیا اور اس کو لے لیا اور ہم سے ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا یا یہ کہ کشایش کو ہمارا دل بصورت عقدہ ہی بھلا معلوم ہوتا ہے پھر کیا کشایش ہوگی- بیدل اپنے تخلص سے فائدہ اٹھاکر ایک ایسے ہی مضمون کو ادا فرماتے ہین ؎

بر دلِ مایوس بیدل پشت دستے میگزم — غنچہ این عقدہ کاش از سعیٔ دندان نشگفد

اسی بیدلی کے مضمون کو مین نے لکھا ہے ؎

کلفتِ بیدلی خوگرانِ دامت پوچھ — اب تو ممکن ہی نہین درد کا پیدا ہونا

ہوائے سیرِ گل آئینہ بے مہریٔ قاتل — کہ اندازِ بخون غلتیدنِ بسمل پسند آیا

خواہش سیرِ گل سے قاتل کی بے مہری ثابت ہوتی ہے کہ اس کو بسمل خون غلتیدہ کا نظارہ پسند ہے یعنی پھول- یہ تمثیل نہایت عمدہ ہے رنگ گل سے خون اور پھولون کا ہوا سے ہلنا بسمل کا خون مین لوٹنا ہے نہایت عمدہ شعر ہے اور الفاظ مناسب اس مین جمع کیے گئے ہین اسی مضمون کو مرزا غالب مرحوم خود دوسری جگہ یون ادا فرماتے ہین ؎

نہین منظور اپنے زخمیون کو دیکھ آنا تھا — اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھئے شوخی بہانے کی

دہر مین نقشِ وفا وجہ تسلی نہوا — ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا

گرچہ نقش وفا زمانہ مین موجود ہے مگر اس سے کچھ تسلی نہین ہوسکتی یہ گویا ایک لفظ ہے جس کے کچھ معنی نہین ہین- وفا کے مضمون ہر شاعر کے یہان بھرے پڑے ہین اور ایک سے ایک اچھا ہے سعدیؒ ہی ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

یا وفا خود نبود در عالم
یا مگر کس درین زمانہ نکرد

مین نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹون — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا

مین نے چاہا تھا کہ مین مر کر اس غم وغصہ سے چھوٹ جاؤن مگر وہ ظالم میرے مرنے پر راضی نہوا یہ شعر بہت صاف اور نہایت اعلیٰ جذبات عاشقی کا نمونہ ہے یعنی اگرچہ وہ ظالم ہے مگر مجھ مین پھر بھی یہانتک اسکی مرضی کی پابندی ہے- اسمین اپنی محرومی اور معشوق کے ظلم کو ثابت کیا ہے نعمت خان عالی ایک جگہ فرماتے ہین ؎

خواستم آتش دلرا بہ نشانم بسرشک — آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت

میرا ایک شعر ہے ؎

کہین کے ہم نرہے ہائے تیرا استغنا[1] — یہ حکم ہے کہ کوئی جان بھی فدا نہ کرے

دل گذرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی — گرنفس جادۂ سرمنزل تقویٰ نہوا

تقویٰ اور تقوی- تجلا- اور تجلی وغیرہ قافیۂ الف اور یے دونون کیساتھ نظم ہوتے ہین یعنی اگر میرے دل پر خیالات تصوف اور تقوی نہین گذرتے تو نہ سہی خیالات ساغر اور شراب ہی کا گذر گاہ بنا رہے جیسے کہ عالمگیر اپنے ایک رقعہ مین لکھتے ہین کہ انسان اگر بکارہائے عقبیٰ نتواند پرداخت ساختگیٔ کارہائے دنیا چہ بد است- نفس بمعنی جان-

ہون ترے وعدہ نکرنے مین بھی راضی کہ کبھی — گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہوا

یعنی مین تجھ سے ہر حالت مین خوش ہون اگر تو وعدہ کرتا ہے تو فہو المراد اور نہین کرتا تو بھی خوش ہون کہ میرے کان پر آواز تسلی کا احسان نہوا- ایسے مضامین غالب کے یہان اکثر پائے جاتے ہین ایک جگہ فرماتے ہین-

دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا — مین نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

حکیم مومن خان ایک جگہ کسیکا احسان بُرا ہونا اس نگاہ سے دیکھتے ہین-

منت حضرت عیسےٰ نہ اٹھائینگے کبھی — زندگی کے لئے شرمندۂ احسان ہونگے

خود غالب ایک اور جگہ احسان کی بُرائی اس طرح کرتے ہین-

دیوار بارِ منت مزدور سے ہے خم — اے خانمان خراب نہ احسان اٹھائیے

[1] استغنا بتانیث بھی لکھا گیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے-

نہ پکڑین دامنِ الیاس گردابِ بلا مین ہم — کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اِس سہارے کا

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بپائمردی ہمسایہ در بہشت

مین نے بھی احسان کے بُرا ہونے مین یہ شعر کہا ہے۔

بلائے جان ہے سائل کو منتِ تاثیر — جسے کوئی نہ سنے اُس صلہ کا کیا کہنا

غرضکہ یہ مضمون عام ہے۔ یہ جذبات عام ہین۔ انمین صرف بندش کی چستی اور تبدیل الفاظ کافی ہین اور باوجود عام ہونے کے بھی یہ مضمون بوجہ خاص جذبات ہونے کے خاص ہین۔

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب — ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہوا

ہم عیسےٰ کے لب ہلاتے ہی چل بسے آواز تم سننے کی نوبت ہی نہ آئی جیسے کہ اس شعر مین یہ نزاکت پیدا ہوتی ہے کہ عیسےٰ کی آواز کی نوبت نہ پہونچی بلکہ لب ہلانے سے ہی مر گئے ایسے ہی زیادہ غور کیا جائے تو یون بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنا لب ہلایا تھا کہ کچھ دعا کرین اُسی مین چل بسے عیسیٰ کی نوبت ہی نہ پہونچی یا عیسےٰ کے بلانے کے لیے جو لب ہلائے اُسی مین خاتمہ بخیر ہو گیا غرض تاویل کو بڑی گنجایش ہے اپنی دعا سے آپ مرجانے کے مضمون کو مومن مرحوم فرماتے ہین ؎

دعا بلا تھی شبِ ہجر میری جان کے لئے — سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہان کے لئے

سبزۂ خط سے ترا کاکُل سرکش نہ دبا — یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہوا

شعرا سبزۂ خط کو زمرد سے تشبیہ دیتے ہین کیونکہ یہ دونون چیزین سبز ہین اگرچہ ہیئت مین مختلف ہین مگر تشبیہ بادنیٰ ملابست بھی جایز ہے زمرد کا یہ خاصہ مشہور ہے کہ اس کو دیکھکر سانپ اندھا ہو جاتا ہے جو زلف سے مشابہ ہے مطلب یہ ہے کہ تیری زلف کا سانپ ابتک اُسی طرح لوگون کو ڈستا ہے باوجودیکہ زمردِ خط نکل آیا جسپر اُسکا اثر پڑنا چاہیے تھا مگر کچھ اثر نہ پڑا شعرا سبزۂ خط کو باعث دلکشی قرار دیتے ہین مگر سعدی سب سے خلاف ہو کر ایک جگہ فرماتے ہین

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است — داند آنکس کہ این سخن گوید

ستایش گر ہے زاہد اسقدر جس باغِ رضواں کا — وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودون کے طاقِ نسیان کا

زاہد جس باغ خلد کی اس قدر تعریف کرتا ہے وہ ہمارے سامنے کوئی وقعت نہین رکھتا بلکہ نسیان کے طاق پر اُسے گلدستہ بنا کے رکھدیا ہے اور ہم بیخودون نے طاق نسیان کی اُس سے زینت دے رکھی ہے۔ یہان غور کرنے کی بات یہ ہے کہ بہشت کی تحقیر اسی کے مناسب لفظ گلدستہ سے کی گئی ہے اور پھر بھی اُس کو باعث زینت قرار دیا گیا ہے چونکہ خود کو بیخود کیا ہے اسلئے اسکو طاق نسیان مین رکھا ہے۔ کوئی معمولی شاعر ہوتا تو نہین معلوم کیونکر تحقیر کرتا ایسے الفاظ کا جمع کرنا محاسن شعر مین سے ہے۔

اس زمین مین اکثر شعرا کی غزلین ہین ناسخ مرحوم کا ایک مطلع قابل تحسین قرار دیا گیا ہے

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا — طلوعِ صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

سوائے شوکت الفاظ کے کوئی معنوی خوبی اس مین معلوم نہین ہوتی۔ طلسم الفاظ توڑ کر معنی پر نگاہ ڈالئے تو غالباً اس کے سوائے کچھ معنی نہ ملینگے کہ میرے سینہ مین ہجر کا داغ ہے اور میرا چاک گریبان صبح محشر سے مشابہ ہے اسمین آفتاب داغ ہجران کا مشرق اپنے سینہ کو کہا ہے اس کے یہ معنی ہین کہ روز داغ ہجران کا آفتاب یہان طلوع کرتا ہے حالانکہ یہ فعل غیر عادی ہے یعنی آفتاب سے داغ کو مشابہ کیا جا سکتا ہے مگر نہ آفتاب داغ روزانہ بطریق معتاد طلوع ہوتا ہے نہ ضیا رکھتا ہے پھر یہان بلا وجہ مشرق داغ ہجر سینہ کو قرار دیا گیا ہے صبح محشر میرے چاک گریبان سے نکلتی ہے بلکہ مشرق آفتاب داغ ہجر معشوق کے دل یا اُس کے فعل کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہان سے وہ آفتاب طلوع کرتا ہے تب وہ آسمان سینہ عاشق پر پہونچا اور اپنی ضیا پھیلاتا ہے بخلاف غالب کے کہ اُس نے نہایت مناسب الفاظ جمع کر کے معنوی خوبیان بھی پیدا کر دین ہمارے نزدیک غالب اور ناسخ مرحوم کے مطلع مین آفتاب و ماہتاب کا فرق ضرور ہے۔

بیان کیا کیجیے بیداد کاوشہائے مژگان کا — کہ ہر اک قطرۂ خون دانہ ہے تسبیح مرجان کا

تیرے مژگان کے ظلم کی روداد کا کیا بیان کرون اُسکی کاوشون سے میرا ہر قطرۂ خون شفتہ ہو کر مونگے کی تسبیح کا دانہ بن گیا ہے۔

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالونکو — لیا دانتون مین جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا

دعب قاتل بھی میرے نالون کو روک نہ سکا بلکہ حسب قاعدہ پناہ مانگنے کے لئے از راہ عجز مینے دانتون مین جو تنکا دبایا وہ نیستان کا تنہ بنگیا یعنی اُس نے سیکڑون نے پیدا کردین جس سے نالہ کشی اور بھی بڑھ گئی۔ تنکے کو ریشہ نیستان کہا ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور ہے ؎

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض ایک افغان ہے
خموشی ریشہ صد نیستان سے خس بدندان ہے

دکھا دونگا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا

اس سے پہلے ایک شعر ایسے ہی مضمون کا لکھا جاچکا ہے ؎

دل نہین ورنہ دکھاتا تجکو داغون کی بہار
اس چراغان کا کہون کیا کارفرما جل گیا

مگر کمال شاعری یہ ہے کہ مصنف نے اسی مضمون کو کچھ بدل کر ایک نیا خیال بنا دیا ہے کہتا ہے کہ اول تو امید نہین ہے مگر زمانہ نے فرصت دی تو تماشہ دکھا دونگا کیونکہ میرا ہر ایک داغ دل داغ دل نہین ہے بلکہ سرو چراغان کا ایک تخم ہے یعنی ہر داغ دل مین ایک سرو چراغان کی بہار پیدا ہو جائے گی یعنی ہر داغ مین سیکڑون داغ ہو جائینگے نہایت اچھا شعر ہے باریکی اس مین یہ ہے کہ میرا عشق روز افزون ہے اور ہمیشہ ترقی کرتا رہے گا۔ دی اگر فرصت زمانہ نے۔ سے مایوسی کا اظہار ہوتا ہے۔

کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

آئینہ خانہ کا تیرے جلوے نے وہ نقشہ بنا دیا ہے جو دھوپ شبنم کا بنا دیتی ہے بعض حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی اُس کو جذب کر لیتا ہے یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کی تاب نہین لاسکتا۔

مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا

خون گرم محنت۔ ہیولیٰ۔ اصل اور مادہ ہر شے کا۔ تعمیر یعنی تعمیر جسم مصنف نے ایک مسئلہ طب نظم کیا ہے کہ میرے جسم کے اندر خود ایک ایسا مادہ موجود ہے جو مجھے فنا کر رہا ہے گویا میرے خرمن جسم پر گرنے والی برق میری ہی سرگرمی ہے۔ حرارت عزیزی ہی ہے جو انسان کو زندہ بھی

کر رکھا ہے اور وہی باعث فنا ہے۔ نعمت خان عالی اس مسئلہ کو یون بیان کرتا ہے ؎

دارد نفسم آمد و رفت از پے کشتن
ہر لحظہ مین مے کشد این تیغ دو دم را

اُگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشہ کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

ذرا میری ویرانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ تمام گھر مین گھاس اُگی ہوئی ہے اور اب میرا دربان بس گھاس کھودنے کا کام کرتا ہے۔ تماشہ کردن فارسی کا محاورہ ہے اردو مین کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا اس کے بجائے دیکھنا فصیح ہے۔ ایک جگہ یون کہہ گئے ہین ؎

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے

خموشی مین نہاں خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریباں کا

چراغ کی لو کو چراغ کی زبان کہا ہے اور جب وہ مردہ ہو گیا تو اُس کی لو جاتی رہی۔ یعنی بے زبان ہو گیا یعنی میری بے زبانی مین میری خاموشی مین بہت سی ایسی آرزوئین ہین جو خون ہو گئین اور اب مین انکا اظہار نہین کر سکتا۔ گویا مین گور غریبان کا بجھا ہوا چراغ ہون۔ گور غریبان اور خون گشتہ آرزوئین مشابہ ہین۔ یہ مضمون نہایت حسرتناک الفاظ مین ادا ہوا ہے۔

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا

اسمین دو لفظ ہین جن مین مصنف نے اپنی حد مشق دکھائی ہے اور اُن سے گذشتہ واقعات کا پتہ چلتا ہے ایک ہنوز۔ دوسرے افسردہ۔ ہنوز سے معلوم ہوتا ہے کہ خیال معشوق اس سے رخصت ہو گیا ہے اور افسردہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے خود خیال معشوق کو رخصت نہین کیا۔ بلکہ اُس نے اس قدر ستم اٹھائے کہ وہ افسردہ ہو گیا۔ اور اس مین خیال معشوق کے رکھنے کی سکت باقی نہین رہی۔ لفظی خوبی یہ ہے کہ افسردن ٹھٹھر جانے اور سکڑنے کو کہتے ہین اور حجرہ تنگ و تاریک کوٹھری کو کہتے ہین افسردہ ہونے سے حجرہ کی مشابہت نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

یعنی باوجودیکہ اب میرا دل افسردہ ہو گیا اور اس مین خیال یار کے رہنے کی گنجایش

نہین رہی۔ مگر پھر بھی نقش خیال یار کی پرچھائین اس مین موجود ہے اور اسی سے یہ دل فسردہ حجرۂ زندان یوسف بنا ہوا ہی۔ یہ خیال بھی نہایت عمدگی سے ادا کیا گیا ہی اور تمام معنوی اور لفظی خوبیان۔ درد بستی بندش۔ صفائی اس مین موجود ہین نیز اس مین قصہ زلیخا و یوسف علیہ السلام کی تلمیح بھی ہی وہ بھی اس خیال سے بہت ہی مناسب ہی کیونکہ زلیخا کا دل جب افسردہ و آزردہ ہو گیا تھا تب اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید مین بھیجا تھا۔

بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ — سبب کیا خواب مین آکر تبسمہاے پنہان کا

آپ جو خواب مین بار بار ہنستے ہین تو شاید آپ خواب مین غیر کے پاس سوتے اور اُس سے خوش ہو ہو کر ہنس رہے ہین۔ ممکن ہی کہ آکر کے بجاے اکثر ہو۔ اور کاتبون کی اصلاح نے شارحین کو نئے نئے معانی پہنانے کی زحمت دی ہو۔ معشوق کے سونے سے شاعرون کو اکثر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ معشوق غیر کے پاس نہ ہو تخ جاے۔ خود مرزا کے یہان ایک اور جگہ ایسا خیال اور بھی پایا جاتا ہے ایک شعر اور اسی خیال کا ہے ؎

وہ خواب مین عدو کے گھر آیا گیا نہو — منہدی لگی ہی پاؤن مین چھالا پڑا نہو

نظر مین ہی ہمارے جادۂ راہ فنا غالب — کہ یہ شیرازہ ہی عالم کے اجزاے پریشان کا

اس مین جادۂ راہ فنا کو شیرازہ کہا گیا ہے کیونکہ تمام اجزاے پریشان عالم اسی شیرازہ مین منسلک ہوتے ہین یعنی مین فنا کو بھولا نہین ہون اور یہ رستہ میری نظر مین ہے کہ مجکو بھی آخر کار اسی شیرازہ مین منسلک ہونا ہی کیونکہ مین بھی اجزاے عالم سے ہون۔

نہو گا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا — حباب موجۂ رفتار ہی نقش قدم میرا

میرا شوق صحرا نوردی ایک جنگل کے پھرنے اور تھکنے سے کم نہین ہو سکتا۔ میرا نقش قدم موج رفتار کا حباب ہی۔ جیسے حباب کا ذوق رفتار کبھی کم نہین ہوتا اور وہ موج کے ساتھ رہتا ہے اور گر گرا در مٹ کر پیدا ہوتا ہے اسی صورت سے میرا ذوق آوارہ گردی تھکنے سے نہین جا سکتا۔ ذوق مرحوم اسی زمین مین اسی مضمون کو یون اَدا فرماتے ہین ؎

وہ ہون مین رہ نورد شوق میرے ساتھ جاتا ہے — برنگ سایۂ مرغ ہوا نقش قدم میرا

جس طرح مرزا غالب نے نقش قدم کو حباب موج رفتار بنایا ہی اسی طرح ذوق مرحوم نے نقش قدم کو سایۂ مرغ ہوا بنایا ہی اور دونون تمثیلین نہایت عمدہ ہین۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہی — کہ موج بوے گل سے ناک مین آتا ہی دم میرا

ایک وقت تھا کہ سیر باغ کا ہم کو شوق تھا مگر اب وہ دماغ ہی نہین رہا اب موج بوے گل سے میرا دم ناک مین آتا ہی یعنی نفرت ہوتی ہی۔ بوے گل سے ناک مین دم آنا اس جگہ نہایت اچھا ہی اور یہ محاورہ بہت ہی برمحل صرف ہوا ہی۔ دم ناک مین آنا۔ سانس لینا۔ مگر اس مین صنعت ایہام دکھائی گئی ہے صنعت ایہام وہ صنعت ہی کہ کسی شعر مین ذومعنی محاورہ یا لفظ لائین اور اس کے معنی بعید سے کام لین ایسے ہی مضمون کا ایک شعر خود غالب مرحوم نے دوسری جگہ لکھا ہی الفاظ اور ہین ؎

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہین خندہاے بیجا کا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی — عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا

میرا عجب رنگ ہی کہ سر سے پاؤن تک عشق مین ڈوبا ہوا ہون اور جان کی محبت بھی ہے جسمین ہر ایک شخص مجبور ہے گویا برق کی عبادت کرتا ہون اور خرمن کے جل جانے پر افسوس کرتا ہون۔ اسپر مجھے میر تقی مرحوم کا ایک شعر یاد آیا غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے ؎

میر کیا سادے ہین بیمار ہوے جسکے سبب — اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہین

یا ؎ تاب لاتے ہی بنے گی غالب — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

بقدر ظرف ہی ساقی خمار تشنہ کامی بھی — جو تو دریاے مے ہی تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

شرابیون کو جب شراب کی طلب یا خمار ہوتا ہی تو جمائیان آتی ہین اسی صورت سے یہان ساحل کو خمیازہ کش قرار دیا گیا ہے اور خود کو ساحل سے تشبیہ دی گیا ہے کہتا ہے ساقی بقدر ظرف ہر شخص کو تشنہ کامی ہوتی ہے تو اگر دریاے مے ہے اور افراط کے ساتھ شراب پلا سکتا ہی تو مین بھی ساحل ہون جس کو تو سیر نہین کر سکتا کیا ہر مے کہ ساحل ہمیشہ خشک رہتا ہے یہ مضمون عام ہے سب جانتے ہین کہ شعر شراب سے کبھی سیر نہین ہوتے اگرچہ

عمر بھر شراب پینے کا اتفاق نہوا ہو۔ مرزا غالب نے صہبائی مرحوم پر ایک پھبتی کہی تھی کہ واہ مولانا نے کیا تخلص رکھا ہے (صہبائی) چاہے عمر بھر ایک چلو بھر نہ پی ہو۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ ساقی کو منادیٰ قرار دیا جائے۔ یعنی اے ساقی۔ اور ظرف کو ظرف ساقی سمجھا جائے یعنی تیرا جتنا ظرف اتنا ہی میری تشنہ کامی کا خمار ہے۔

محرم نہین ہے تو ہی نواہائے راز کا ۔۔۔ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

راز کی باتین تو سمجھ ہی نہین سکتا ورنہ درحقیقت اس درمیان مین جس کو تو حجاب سمجھا ہوا ہے وہ حجاب یعنی پردہ پردۂ ساز ہے جس سے برابر راز کی آوازین آرہی ہین یعنی یہ تیرا ہی قصور ہے۔ حجاب کو پردۂ ساز قرار دیکر مضمون آفرینی کا کمال دکھایا ہے یہی مضمون ہے جسے عرفی شیرازی بیان کرتا ہے ؎

ہر کس شناسندۂ راز ست وگرنہ ۔۔۔ اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست
مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند ۔۔۔ کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مرزا یاس صاحب عظیم آبادی نے اس تمام غزل پر اعتراض بھی کیے تھے اور آتش کی ایک معمولی غزل سے ۱۹۱۵ء مین رسالہ خیال ہاپوڑ مین تقابل بھی کیا تھا جس کے اکثر جوابات شائع ہوئے چنانچہ محمد ابراہیم منور دہلوی کے فرضی نام سے اڈیٹر صاحب تمدن نے اس کا جواب دیا تھا وہ مضمون مین نے بھی دیکھا تھا یاس صاحب نے غالب کے اس مطلع کو آتش کے شعر کے مقابلہ مین پیش کیا تھا جو نہایت بیمحل اور بے جوڑ ہے ؎

آتش: پامال کیجئے انہین رفتار ناز کا ۔۔۔ طاؤس و کبک رکھتے ہین دعوا نیاز کا

اس شعر مین یاس صاحب کو تصوف بھرا ہوا دکھائی دیا جبکا یہی جواب ہے کہ انکا خیال ہے وہ جو چاہین سمجھ لین مگر ہم تو یہی کہین گے کہ واہمہ خلاق ہے پرانے رنگ کا ایک معمولی شعر ہے بخلاف غالب کے شعر کے جس کا غالب کے قلم سے نکلنا ہی مشکل تھا۔

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے ۔۔۔ یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

اس مین مرزا غالب نے وہ نازک خیالی دکھائی ہے کہ جو ان کے حریفون کو رشک و حسد کی آگ مین جلائے دیتی ہے اسمین ایک محاورہ کا مفہوم ادا کیا گیا ہے جو نہایت ہی لطیف

اور سمجھنے والے اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہین یعنی نظارۂ معشوق نے میرا رنگ اڑا دیا اور وہ رنگ پریدہ مثل صبح بہار کے ہے۔ رنگ پریدہ اگرچہ صرف صبح سے مشابہ ہو سکتا ہے مگر صبح بہار اسکو اسواسطے کہا ہے کہ اس کی وجہ سے گلہائے ناز شگفتہ ہون گے صبح بہار مین پھولون کا کھلنا اور پھولون کے کھلنے سے صبح بہار کا پیدا ہونا لازم و ملزوم ہین۔ وہ پھول ناز معشوق کے پہول ہین یعنی معشوق جب اپنے نظارہ کی تاثیر سے میرا رنگ اڑتا ہوا دیکھے گا تو اس کو اپنے حسن وغیرہ پر ناز ہوگا۔ اس مین استعارات نہایت بدیع لائے گئے ہین۔

معترض نے ان سب خوبیون اور معنوی نزاکتون سے چشم پوشی کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ شعر ایک وہمی شاعر کا نہین ہو سکتا۔ اس مین اور زیادہ بدمذاقی کی یہ مثال پیش کی گئی ہے کہ آتش کا اسی قافیہ کا شعر جو بالکل اس کے سامنے ذلیل معلوم ہوتا ہے لکھا گیا ہے ؎

کیونکر وہ نازنین نہ کرے سب سے نیاز یان ۔۔۔ انداز سے بھی حوصلہ عالی ہے ناز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز ۔۔۔ مین اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

یعنی تیری یہ کیفیت ہے اور میری یہ حالت ہے تو غیرون کو تیز نگاہ سے دیکھتا ہے اور تیری مژہ ہائے دراز کو جب مین اس حالت مین دیکھتا ہون تو میرے اوپر برچھیان چلتی ہین یا ہر وقت مین تیری پلکون کے عشق کا دکھ اٹھاتا ہون اور تو غیرون کو دیکھتا ہے اسمین تقابل کی حالت قابل تحسین ہے۔ نظم صاحب نے اپنی شرح مین مژہ ہائے کی ہائے کو علامت جمع اور ہائے کلمۂ تاسف دونون طرح سے صحیح بتایا ہے مگر میرے نزدیک یہان صرف ہا جمع کے لیے ہے اور ہائے کلمۂ تاسف بالکل غلط ہے۔ مرزا یاس اس کے مقابلہ پر آتش کے اس شعر کو پیش کرتے ہین اہل نظر غور کرین اور سمجھ لین کہ کتنا فرق ہے اور آتش مرحوم کے سر تصوف کی تہمت رکھنے مین وہ کہان تک کامیاب ہین ؎

عمر خضر سے انکی زیادہ ہو زندگی ۔۔۔ دھو دین پیئے جو یار کی زلف دراز کا

یہ انداز بیان غالب مرحوم کا خاص حصہ ہے ایک اور جگہ اسی انداز بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہین کہ ؎

مین اور صد ہزار نوا ہائے جان خراش
تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون

صرفہ ہی ضبط آہ مین میرا وگرنہ مین   طعمہ ہون ایک ہی نفسِ جانگداز کا

صرفہ یعنی فائدہ یعنی آہون کے ضبط کرنے مین میرا فائدہ ہے ورنہ ایک ہی آہ کرنے مین مین جل کر خاک ہو جاؤن۔ اس سے اپنی آہ کی سوزش دکھائی ہے کسی ہندی شاعر نے ایک خیال قریب قریب ایسا ہی ادا کیا ہے ؎

آہ کرون تو جگ جلے اور جنگل بھی جل جائے   پاپی جیورا نا جلے جس مین آہ سمائے

اگر غور سے دیکھئے تو ہندی مین یہ خیال غالب کے یہان سے زیادہ اچھی طرح ادا ہوا ہے یعنی میری آہ سے ایک زمانہ جل جائے مگر مین ایسا کم نصیب اور سخت جان ہون کہ میرا دل جسمین اس آہ کا مقام ہے وہ نہ جلے گا۔ بخلاف غالب کے کہ وہ کہتے ہین مین ضبط آہ سے فائدہ اٹھا رہا ہون وگرنہ ایک آہ کرون تو جل جاؤن۔ ایک اور بہت مشہور شعر ہے اگرچہ وہ جدا ہے مگر ایسے موقع پر لکھ دینا بیکار نہو گا ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد   وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

معترض نے ایک شعر اسی قافیہ کا آتش مرحوم کا لکھا ہے جو اگرچہ بُرا نہین ہے مگر غور فرمایئے تو اس شعر کے مقابل مین لانے کے قابل ہرگز نہین ٹھہر سکتا ہے۔

ظاہر ہے گرمجوشیٔ پروانہ کا اثر   روشن ہی حال شمع کے سوز و گداز کا

ہین بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے   ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

شیشہ بازی ایک فن ہے جو ابتک بھی رائج ہے عموماً ہندوستان کے نٹ وغیرہ بھی ایک اسی قسم کا تماشہ کرتے ہین کتھک بھی اسی طرح کا رقص کرتے ہین نٹ بھی برتن مین پانی بھر کر سر پر رکھ کے ایسا ہی کھیل کرتے ہین۔ اسی صورت سے مثال دی گئی ہے گوشہ فرش پر جو شیشہ رکھے ہین اس سے گوشہ بساط شیشہ باز کا سر معلوم ہوتا ہے۔

کاوش کا دل کرے ہے تقاضہ کہ ہے ہنوز   ناخن پہ قرض اس گرہ نیمباز کا

میرا دل جو گرفتگی غم والم سے گرہ نیمباز ہو کر رہ گیا ہے تو اسی وجہ سے وہ کاوش کا بار بار تقاضہ کرتا ہے اور اس طرح سے تقاضہ کرتا ہے کہ میرے ناخن پر جیسے اُس کا

کچھ قرض ہے اس مین لطیف مضمون یہ ہے کہ گرفتگی سے دل اگرچہ گرہ ہو کر رہ گیا ہے مگر پھر بھی کاوش سے باز نہین آتا ہے اور مین برابر اس کو ناخن سے کھودے جاتا ہون یہ استعارات نہایت لطیف ہین اور غالب کے سوائے دوسرے ہندی شعرا کے یہان ایسی تمثیلین نہین ملتی ہین۔ غرض یہ ہے کہ دل مین جو ابھی تھوڑا سا زخم ہے اس کو وہ اور بھی بڑھانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ سراپا زخم ہو جائے مرزا نے مختلف پیرایون مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ جن پر اندازہ کرنے والون کی نظرین پہونچ ہی جاتی ہین منجملہ انکے ایک یہ ہے ؎

شق ہو گیا ہی سینہ خوشا لذتِ فراق   تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی

یا

نہین ذریعۂ راحت جراحتِ پیکان   وہ زخمِ تیغ ہی جس کو کہ دلکشا کہئے

ہم نے اکثر جگہ مرزا کے مترادف المعنی اشعار لکھے ہین اور آیندہ بھی لکھین گے مگر اہل نظر اسکو مرزا کے عجز طبع پر محمول نہ فرمائین بلکہ اس سے یہ اندازہ فرمائین کہ ایک قادر الکلام شاعر ادنی تغیر سے ایک مضمون کو کتنی صورتون کے ساتھ ادا کر سکتا ہے یہ کمال شاعری ہے۔

تاراج کاوشِ غمِ ہجران ہوا اسد   سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

اے اسد افسوس کہ میرے راز کے موتیون کے خزانے کو غم جدائی نے لوٹ لیا اور برباد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مین رسوا ہو گیا۔

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا   اس تکلف سے کہ گویا بتکدہ کا در کھلا

نظم صاحب کی شرح سے ہم کو بھی اتفاق ہے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی قصیدہ کا ہے جو کسی صورت سے غزل مین شامل کر دیا ہے اس مین رات کا سمان دکھایا ہے یہ شعر دوسرا مطلع ہے مگر چونکہ غزل سے جدا ہے اس واسطے مین نے اسکو پہلے لکھدیا ہے

بزم شاہنشاہ مین اشعار کا دفتر کھلا   رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

ہمارے نزدیک دربار مین کوئی مشاہرہ ماہوار یا ہفتہ وار یا روزانہ مقرر ہوا ہے اور اس مین یہ غزل کہی ہے جس کی تقریب تہنیت کے طور پر یہ شعر کہا گیا ہے نظم صاحب نے

اس کی تاویل کچھ اور کی ہے۔ فرماتے ہین کہ بزم شاہنشاہی جو گنجینہ گوہر ہے وہ اسی سبب سے ہو کہ میرے اشعار کا وہان دفتر کھلا ہوا ہے۔ مگر مجھے اس مین اس لیے تامل ہے کہ غالب کے یہان ایک جگہ اور ایسا ہی شعر ملتا ہے ؎

حضور شاہ مین اہل سخن کی آزمایش ہے　　چمن مین خوشنوایان چمن کی آزمایش ہے

دیکھنے والون کو جو تاویل پسند آے ہم نے اپنا خیال ظاہر کر دیا یہ صرف قیاس ہے اور قیاس اکثر غلط بھی ہوتا ہے۔

گرچہ ہون دیوانہ پر کیون دوست کا کھاؤن فریب　　آستین مین دشنہ پنہان ہاتھ مین نشتر کھلا

یعنی اگرچہ دیوانہ ہون مگر دوست کا فریب کیون کھاؤن ہاتھ مین تو نشتر لیے ہوے آتا ہو کہ فصد کرے اور میری غمخواری اور علاج کرے مگر آستین مین چھری پوشیدہ ہے کہ مجھے قتل کرے۔ اسی مضمون کو دوسرا لباس یون پہنایا ہے ؎

وعدۂ سیر گلستان ہے خوشا طالع شوق　　مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

یا یہ کہ مین دیکھتا ہون کہ ہاتھ مین نشتر ہے اور آستین مین خنجر پھر دوست کا فریب کھانا چہ معنی دارد۔

گو نہ سمجھون اسکی باتین گو نہ پاؤن اسکا بھید　　پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

اگرچہ مین اس کی باتون کو نہ سمجھون اور اس کے بھید کو نہ پا سکون کہ کھلکر یعنی بے تکلف ہو کر وہ مجھپر کیا ستم ڈھاے گا اور وہ کیون بے تکلف ہوا ہے مگر یہ فخر میرے لیے کیا کم ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلف ہوا۔ یون سمجھے کہ ؎

کم نہین نازش ہمنامی چشم خوبان　　تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہوا

ہے خیال حسن مین حسن عمل کا سا خیال　　خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

میری قبر مین جو مجکو حسن معشوق کا خیال ہے اس خیال حسن سے مجھے حسن عمل یعنی طاعت و عبادت کا سا مزا آ رہا ہے گویا اس خیال سے میری قبر مین ایک بہشت کا دروازہ کھلا ہوا ہے معشوق کے چہرۂ زیبا کو بہشت کہا گیا ہے خیال حسن سے حسن عمل کا سا خیال ایک نئی بات ہے

ورنہ شعرا اکثر ایسے مضمون باندھتے ہین مثلاً ؎

پس مردن بھی رہتا ہون خیال روے روشن مین　　چراغ طور جلتا ہے ہمیشہ میرے مدفن مین

دیکھنا یہ ہے کہ ایک پامال اور مبتذل مضمون کو انداز بیان کی صفائی نے سب سے علیحدہ کر دیا ہے دوسرے معنی اس شعر کے یہ بھی ہو سکتے ہین کہ حسن کا خیال رکھنے سے مجھے یہ بدل ملتا ہے یعنی چونکہ مین نے ہمیشہ ظلم و ستم سہے۔ ہمیشہ دنیا کے تمام جھگڑون سے مجھے عشق نے علیحدہ رکھا ہمیشہ رضاے یار پر شاکر اور صابر رہا۔ زندگی مین عشق پر ثابت قدم رہا اور مرنے کے بعد بھی وہی خیال ہے تو انہی وجوہات سے یہ خیال حسن حسن عمل بن گیا اور اسی کا یہ بدل ہے۔

منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین　　زلف سے بڑھکر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

حالانکہ اسنے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہے اور وہ پوشیدہ ہے مگر اسپر بھی وہ عالم ہے کہ کبھی دیکھا ہی نہین نقاب نے اس کے چہرے کو ایسا پر رونق بنا دیا ہے کہ اگر چہرے پر زلف بھی بکھرتی تو ایسی اچھی نہ معلوم ہوتی اس مین یہ ٹکڑا کہ دیکھا ہی نہین خصوصیت سے داد کے قابل ہے کھلنا بمعنی زیب دینا مصنف مرحوم نے نقاب کو اس مین مذکر باندھا ہے مگر یہ لفظ تذکیر اور تانیث مین مختلف فیہ ہے ناسخ مرحوم اور اکثر شعراے لکھنؤ اس کو مؤنث لکھتے تھے اور لکھتے ہین۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا　　جتنے عرصہ مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

ظاہرا اس شعر مین معشوق کی بدعہدی اور شوخی وعدہ خلافی وغیرہ کا ذکر کیا ہے مگر اس مین الفاظ اتنے اچھے جمع کیے گئے ہین کہ جن سے بہت بڑے معانی کا پتہ چلتا ہے یعنی مین کوچہ گردی کرتا ہوا اس کے در پر پہونچا اور اس کی بزم کی اجازت چاہی تو اس نے مجھے در پر پڑے رہنے کی اجازت دیدی۔ مگر ایسا ستم ظریف شوخ طبع اور وعدہ خلاف ہے کہ جب تک مین نے اپنا لپٹا ہوا بستر اس کے دروازہ پر کھولا اتنی دیر مین وہ پھر گیا یعنی بدعہد ہو گیا اور مجھے دھتا بتا دی۔ یا یہ کہا کہ مجھ سے یہ کہکر وہ پلٹ گیا اور مین دیکھنے سے محروم ہی رہا

کیون اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤن کا نزول　　آج ادھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

مولانا حسرت موہانی اور مولانا نظم صاحب دونون حضرات نے اُدہر لکھا ہے اور یہ معنی بیان کیے ہین کہ پہلے مصرع مین سوال و جواب ہے یعنی تاریکی شب غم کا سبب یہ ہے کہ بلندی عرش پر سے بلائین اُتر رہی ہین اور تارون نے اُن کے اُترنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے اس طرف سے اُس طرف آنکھین پھیر لی ہین یعنی اس کثرت سے اتر رہے ہین کہ جیسے میلہ قابل تماشہ ہو مگر مین ان معانی اور اس توجیہ کو صحیح نہین سمجھتا۔ اُدہر بمعنی آنجا نہین ہے بلکہ ادہر بمعنی اینجا اس جگہ صحیح ہے اس صورت مین یہ معنی ہوتے ہین بلکہ مصنف اعتراضًا کہتا ہے کہ شب غم اس قدر تاریک کیون ہے حالانکہ آج بلائین نازل ہو رہی ہین اور دیدۂ اختر نحوست بھی ادہر ہی کو کھلا رہے گا۔ جس سے تاریک نہونا چاہیئے۔ کیون ازراہ اعتراض ہے نہ کہ بطریق سوال۔

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال   نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

مجھے غربت مین کیا خوشی ہو جب زمانہ کے حوادث کا یہ حال ہو کہ نامہ بر وطن سے جو خط لاتا ہے وہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے اور کھلے خط مین اکثر اخبار بد لکھتے ہین دوسرے معنی یہ بھی ہین کہ مجھے غربت مین کیا خوشی نصیب ہوسکتی ہے جب نامہ بر وطن سے اکثر خط کھلے ہوئے لاتا ہے یعنی میرے اعزا اور میرے دوست بھی مجھے کسی خاص راز کے لکھنے کی قابل نہین سمجھتے مگر پہلے معانی زیادہ اچھے اور مناسب ہین۔

اسکی امت مین ہون مین میرے رہین کیون کام بند   واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

نعت کا شعر ہے یعنی اے غالب میرے کام کیون بند رہین مین اُس رسُول کی امت مین ہون جس کے واسطے آسمان کا گنبد بے در کھل گیا۔ ایہام ہے قصہ معراج کی طرف بہت اچھا شعر ہے اور کیا کہون۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا   شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

رات مین اس قدر بیتاب تھا اور اس قدر میرے دل مین سوز پیدا ہو گیا تھا کہ اس کو دیکھکر گھٹا کا پتہ پانی ہو رہا تھا اور اسپر بھی میرے سوز دل کی تاثیر یہ تھی کہ اس پانی مین جو

حلقۂ گرداب پڑتا تھا وہ شعلۂ جوالہ تھا۔

وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام   گریہ سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

یہان سے مصنف اپنی اور معشوق کی حالت کا تقابل کرتا ہے جس کے لیے الفاظ اور حالات اور سب مناسب چیزین لائی گئی ہین کہتا ہے کہ چونکہ زہرۂ ابر آب ہو رہا تھا اور پانی بھی برس رہا تھا اس لیے اُنکے کرم کو بارش کا عذر مانع تھا یعنی وہ تو بوجہ بارش کے میرے یہان نہ آسکتے تھے اور یہان رونے سے تکیہ کی روئی کف سیلاب بنی ہوئی تھی یا کف سیلاب تکیہ کی روئی تھی یعنی روئی کا تکیہ بہا بہا پھرتا تھا۔ اور دریا سیل مین اس قدر جھاگ تھی کہ روئی معلوم ہوتی تھی یہ تماثیل نہایت مناسب ہین۔

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال   یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا

وہ اپنی خود آرائی اور زیبایش کے خیال سے موتی پرو رہے تھے اور یہان ہجوم اشک اس قدر تھا کہ تار نظر بھی چھپ گیا تھا۔ آنسو کو موتی سے تشبیہ دیتے ہین اور تار نگہ سے استعارہ کرتے ہین مگر یہان یہی لطف ہے کہ مصنف نے تشبیہ نہین دی ہے حالت کا تقابل کر کے پوری تمثیل دیدی۔

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو   یان روان مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

وہان جلوۂ گل تھا اور اُس کے عکس سے پانی مین چراغان کا تماشہ دکھائی دیتا تھا اور یہان جوئے چشم تر تھی اور اس سے خون خالص روان ہو رہا تھا اور لہو کی بوندین جو پلکون پر پڑی تھین شاخ گل معلوم ہوتی تھین۔

یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی   جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تھا

ہماری بیخودی کی بزم مین آہ کی شمع روشن تھی اور وہان صحبت احباب کے لئے پھولونکا فرش بچھا ہوا تھا۔

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موج رنگ کا   یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

وہاں طوفان رنگ کا جوش و خروش فرش سے عرش تک تھا یاں زمین سے آسمان تک آگ لگا دینے کے قابل تھا۔

ناگہاں اس رنگ سے خوننابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

میرا دل جس کو کاوش ناخن میں مزا آرہا تھا اس طرح سے آنکھوں سے خون ٹپکانے لگا یعنی ایسی حالت میں میں نے یہ غزل کہی۔

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

میرے نالۂ دل میں انداز اثر بالکل نہ تھا کیونکہ اگرچہ میں اس نالہ سے بیتاب ہو کر جل رہا تھا مگر میرا وہ جلنا بزمِ غیر کی اور زینت بڑھاتا تھا اور وہاں میرا جلنا سپند کا کام کر رہا تھا یعنی میرے نالہ اور بیتابی کا اثر الٹا تھا۔ سپند دفع نظر بد کے لئے جلاتے ہیں۔

اسی مضمون کو تھوڑے سے تغیر سے دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

دور چشم بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

ایسا ہی ایک مضمون اور ہے ؎

اُن اثر کا مری آہوں سے ہوا ہو جاتا
جاتے جاتے ترے کوچہ میں صبا ہو جاتا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

سیلاب کے آنے سے میرے دل کو کیا خوشی ہو رہی ہے عاشق کا گھر شاید صدائے آب کا ساز تھا یعنی جس طرح سے ساز و صدا وغیرہ باعث طرب ہے اسی طرح صدائے سیل آب کے واسطے اس کا گھر گر جانا ساز ہو گیا جس سے عاشق کو خوشی ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی ویرانی کے سامان کو سامان طرب سمجھتا ہے اور اپنی بربادی سے خوش ہوتا ہے۔

نازشِ ایّامِ خاکسترنشینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

مولانا علی حیدر صاحب نظم اس کی شرح یوں فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں خاک نشین تھا لیکن میرا دل قناعت کے فخر و ناز کے سبب سے فرش سنجاب پر لوٹ رہا تھا مگر میرے نزدیک غالب کا

مطلب یہ ہے کہ خاک نشینی کے ایام کا فخر و ناز کیا بیان کروں کہ اس زمانے میں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کبھی ہم بھی بستر قاقم و سنجاب پر تھے۔ اور اس طرح سے خیال عیش بتصرف عیش بنا ہوا تھا مگر افسوس کہ اب وہ زمانہ بھی نہ رہا۔ یہ معانی اندیشہ کے لفظ سے پیدا ہوئے اور غالب کا یہی انداز بیان اکثر جگہ پایا جاتا ہے مثلاً۔

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

ان دونوں شعروں میں ترقی مدارج مقصود ہے۔

منشی غلام اللہ صاحب بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ سکنہ بانس بریلی شاگرد مرزا غالب مرحوم نے بھی اسی زمین میں بالکل اسی رنگ کا اتباع کرتے ہوئے ایک غزل لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حق شاگردی کو خوب ادا کیا ہے۔ ہدیۂ پیشکش ناظرین کی جاتی ہے ؎

شب فراق اشک سے گردوں کفِ سیلاب تھا
دورۂ چشم کواکب حلقۂ گرداب تھا

واں حنابندی عنان گیر خرام ناز تھی
یاں تن کاہیدہ غرقِ اشکِ خونِ ناب تھا

شمع بزمِ عیش تھا واں خندۂ دنداں نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں وہ خونِ ناب تھا

واں رخ پرنور تھا صبح امیدِ زندگی
یاں ہر اک داغ جگر خورشید عالمتاب تھا

واں نگاہ سرمہ آلودہ تھی آنکھیں بھالے
موجزن یاں چشمِ تر سے خون کا سیلاب تھا

یاں دل شوریدہ کو سر پھوڑنے کا تھا خیال
زیر سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا

دیدۂ بیخواب تھا یاں ہائے محو انتظار
استراحت کے لیے واں بسترِ سنجاب تھا

حسن تمکیں آزما کو پاس خودداری وہاں
خانہ زادِ عشق کو ملحوظ یاں آداب تھا

انکو پاس ننگ دامنگیر مجکو پاس وضع
وہ اُدھر بیتاب تھے اور میں اِدھر بیتاب تھا

ہو گیا بیساختہ یوں آج سرگرم سخن
ایک مدت سے نوا سنجی کو دل بیتاب تھا

دیدۂ بے خواب کو شب تھا کسیکا انتظار
کان آہٹ پر تھے واں مژگاں سے خون ناب تھا

ہائے ایسے ناتواں پر توہوا تیغ آزما
نشتر فصّاد جسکو دشنۂ قصاب تھا

کیوں نہ جھکتی زاہد مغرور کی گردن ادھر
خنجر خمدار قاتل صورت محراب تھا

ساغر مل اب کہاں وہ شور قلقل اب کہاں
نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا

مین نے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر
بستر سنجاب تھا نے بالش کم خواب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان — ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

کچھ نہ کرنا ایک محاورہ ہی جو کوتاہی کرنے کے معنی مین مستعمل ہے کہتا ہی کہ میرے جنون نے نارسائی کی اور اپنی حد پر نہ پہونچ سکا ورنہ حد جنون کے مقام کا ایک ایک ذرہ رشک خورشید عالمتاب تھا۔ مولوی علی حیدر صاحب یہ کہتے ہین کہ جنون نارسا نے کچھ نہ کیا یعنی اکتساب فیض سے اور اتحاد معشوق سے محروم رکھا ورنہ ایک ایک ذرہ نے ایسا اکتساب نور کیا تھا کہ رشک وہ آفتاب تھا اس مین حالات ماضی کا خیال کیا گیا ہی اور یہ نا ممکن ہی۔

اگر زیادہ غور کیا جاسے تو یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہین کہ جہان یعنی جس مقام تک جنون پہونچ چکا تھا اُس مقام کا ذرہ بھی روکش خورشید عالمتاب تھا۔

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرونکی تجھے — کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

آج اپنے قیدیون کی تجھے پروا کیون نہین کل تلک تیرے دل مین بھی محبت تھی۔ اس شعر مین خصوصیت سے یہ دو لفظ قابل ذکر ہین تلک یہ اب متروک ہی اور فصحا بجاے اسکے تک، استعمال کرتے ہین۔ باب مہر و وفا فارسی کا محاورہ ہی اردو کی زبان اس کی متحمل نہین ہے

یاد کرو وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا — انتظار صید مین اک دیدۂ بیتاب تھا

پہلے شعر کے ثبوت مین یہ شعر لکھا گیا ہی اول جو بیان کیا ہی کہ کل تلک تیرا دل بھی باب مہر و وفا تھا کہ تیرے دام کا ہر حلقہ انتظار صید مین ایک دیدہ بیتاب بنا ہوا تھا اس شعر مین مرزا نے چشم معشوق کو اُسی کے دام کا حلقہ بنایا ہر ایک جگہ اپنی آنکھون کو معشوق کے دام کا حلقہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے

دل کو آنکھون نے پھنسایا ہے مگر — یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے — اُسکے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

گویا غالب کوئی دوسرا شخص ہی جس کو روکا گیا اور جس کا سیل نالہ اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ آسمان کف سیلاب بننے والا تھا۔

دیکھئے اسی سیل گریہ کے مضمون کو اسی غزل مین دوسرے انداز سے باندھ چکے ہین سچ یہ ہی کہ قادر الکلامی اسی کا نام ہے۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب — خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

اس شعر کے یہ دونون معنی ہو سکتے ہین کہ خون جگر یار کی پلکون کی امانت تھا۔ اور وہ ایک ایک قطرہ بہانا پڑا یہی معنی مولانا نظم نے لکھے ہین مگر میرے نزدیک یہ معنی اور بھی اچھے ہین اور مناسب حال ہین مجھے حساب دینا پڑا حساب دینا اُس وقت پڑتا ہے۔ اور حساب ایمین ہوتا ہے کہ جہان کوئی غصب وغیرہ پایا جاتا ہے یا کوئی بدنظمی ہوتی ہے اسیلوجہ سے مصنف کہتا ہی کہ مین بیقراری ہی مین بہت سا خون جگر بہا چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی اس کی یاد مژہ کی کاوش اور محبت نے مجھے چین نہ لینے دیا اور جسقدر مین خون رو چکا تھا اتنا ہی پھر خون رُلایا اور اسی سے احتساب مین مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ گویا یہ شعر تطرِ افسوس کے ہے۔ تھوڑے سے ردو بدل سے یون بھی کہتے ہین کہ

بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خون فشاں کیلیے

یعنی اگر اُس کی مژہ کا عشق خون رُلائے گا تو رُلاے مگر مین اپنی مژگان کی عادت کے لیے بھی کچھ بچا رکھون۔

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو — توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

تو نے میرے دل کو توڑ کر مجھے مصیبت مین ڈالدیا۔ کیونکہ میرا دل گویا ایک آئینہ تھا جسمین ایک شہر یعنی بہت سی آرزو کی تصویرین تھین۔ اور اس کے مٹنے سے سب مٹ گئین اور ایک دل کے ساتھ مجھے ایک شہر کا ماتم کرنا پڑ گیا۔ مولانا نظم اس کی یہ شرح لکھتے ہین۔ جو میرے نزدیک صحیح نہین ہین (اور وہ دار کو وار کہتے ہینا) قاعدہ ہے کہ آئینہ مین ایک ہی عکس دکھائی دیتا ہے لیکن جب اسے توڑ ڈالو تو ہر ہر ٹکڑے مین وہی پورا عکس معلوم ہونے لگتا ہے اور یہان ہر ہر عکس دیکھ کر ایک ایک آرزو کا خون ہوتا ہے غرضکہ

جس آئینہ مین معشوق کے عکس و تمثال کا جلوہ تھا اُس کے ٹوٹنے سے ایک شہر آرزو کا خون ہو گیا یہ کیا ہوا مضمون ہے ۔ ب

نظر آتے کبھی کا ہیکو اک جا خون نما اتنے ۔۔ یہ حسن اتفاق آئینہ اسکے روبرو ٹوٹا

ایک شہر آرزو مین ویسی ہی ترکیب ہے جیسے یک بیابان ماندگی۔ اور یک قدم وحشت مین۔ میرے نزدیک اس ترکیب کی تمثیل اُن تماثیل سے صحیح نہین۔ بلکہ یہان کثرت تو مراد ہے اور وہان وحدت مقصود ہے۔

گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین ۔۔ دلدادۂ ہوائے سر رہگذار تھا

بے انتہا بلیغ شعر ہے اسمین مصنف نے اک سامان عبرت دکھانا چاہا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے اسکا بڑا شوق تھا کہ سڑکون اور شاہراہون کی ہوا کھاتا پھرون۔ اور یہ امراء و شرفاے شہر کا طریق ہے کہ شام و صبح کو ہوا کھانے کے لیے نکل جایا کرتے ہین تو اب مرنے پر یہ سزا دو کہ میری نعش کو گلیون مین کھینچتے پھرو اور اس صورت سے میری نازک دماغی اور میرے شوق کو لوگون پر اظہار کر کے۔ دنیاے ناپائدار اور یہان کے تمام شوقون سے انکو عبرت دلاؤ کہ یہ ایسا تھا اور اب یہ اتنا مجبور اور بے بس ہے یا یہ کہ میری حالت زندگی مین بھی مجنونون کی تھی بعد مرگ بھی یہی ہو

مولانا نظم اس کے یہ معنی لکھتے ہین۔ ہوا کے معنی آرزو۔ رہ گذار سے رہ گذار معشوق مراد ہے۔ مگر یہان اگر ہوا کے معنی آرزو کے لیے جائینگے۔ تو دلدادہ جس کے معنی خود آرزو مند اور عاشق کے ہین بیکار ہو جائے گا۔ اور شعر اک ان مل بے جوڑ سے زیادہ وقیع نہوگا۔

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال ۔۔ ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا

شرح نظم صاحب ملاحظہ ہو جس طرح تلوار مین جوہر آبدار ہوتے ہین اسی طرح موج سراب کے ذرے تھے۔ حاصل یہ کہ سرزمین عشق پر تلوار برستی ہے بس۔ حالانکہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ موج سراب دشت وفا کی کیفیت نہ پوچھو کہ اس نے کیا کیا ستم کیے گویا کہ اسکا ہر ایک ذرہ ایک جوہر تیغ تیز تھا جسنے آرزوؤن کا خون کر دیا۔ سراب اس کو کہتے ہین کہ کہین صاف شفاف جگہ دیکھ کر کسی مسافر کو پانی کا دھوکہ ہو جائے۔ اور یہ اکثر رات مین ہو جاتا ہے یہی مصنف کہتا ہے کہ مین گویا آرام اور محبت کا ایک پیاسا مسافر تھا اور معشوق کی وفا کی صورت پر (جو دراصل

وفا نہ تھی بلکہ سراب وفا تھا جس پر مجھے صرف وفا کا دھوکا ہی دھوکا تھا) مین محبت اور آرام کی اس مسافر کی طرح تمنا رکھتا تھا جو پیاسا ہو اور اس کو کسی جگہ پر پانی کا دھوکہ ہوا اور اُس سے وہ خوش ہو جائے مگر جب قریب پہونچے اور بجائے پانی کے وہ زمین دیکھ کر جیتے جی مر جائے اسی طرح اس سراب دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے جو معشوق کی طرف سے مجھے نظر پڑتی تھی قتل کر دیا یعنی اس کی جھوٹی تسکین اور وعدہ خلافی نے مجھے مار ڈالا۔ یا اگر وفا کو معشوق کی وفا سمجھا جائے تو دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ مجھے اپنی وفا سے کیا کیا امیدین تھین یعنی جذب کی توقع اور معشوق کی جانب سے بھی وفا کی امید تھی۔ مگر وہ صرف ایک سراب نکلا۔ اور میری وفا بیکار رہی۔ اور میرے دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے مجھی کو قتل کیا۔

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب ۔۔ دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

ہم سمجھتے تھے کہ غم عشق کچھ کم ہے۔ مگر کم ہونے پر ایک زمانہ کا غم نکلا یعنی بہت نکلا یا یہ سمجھیے کہ ہم سمجھے تھے کہ غم عشق اب کم ہوا ہے اب ہم کو آرام ملے گا۔ مگر اب دیکھا تو کم ہونے پر غم دنیا نے گھیر لیا۔ گویا ایک آفت سے چھوٹے تو دوسری مین پڑ گئے ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ۔۔ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

مگر مرجح پہلے معنی ہین۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا ۔۔ آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

چونکہ ہر کام کا آسان ہونا مشکل ہے لہذا ہر آدمی بھی آدمی نہین کہا جا سکتا ؎

آنچہ بر جستیم کم دیدیم و بسیار است و نیست ۔۔ نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است و نیست

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی ۔۔ در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا

سیل گریہ میرے کاشانہ کی خرابی چاہتا ہے اور در و دیوار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب یہ کوئی دن مین بیابان ہو جائے گا۔

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو ۔۔ آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیران ہونا

ہاے شوق کی دیوانگی کہ دمبدم یہ مجکو تیری گلی مین لیجاتا ہے اور پھر آپ ہی آپ حیران ہوتا ہون کہ ہاے مین یہان کیون آیا تہا- ایک شعر بالکل اسی مضمون کا مجھے یاد ہے

یہ شوق تہا کہ جنون تہا کہ تیرے کوچہ مین — ہزار بار گئے ہم ہزار بار آئے

جلوہ از بسکہ تقاضاے نگہ کرتا ہے — جوہر آئینہ بھی چاہے ہی مژگان ہونا

چونکہ اُسکے جلوے مین یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر ایک سے ایک نگاہ کا تقاضا کرتا ہے تو جب اُس نے آئینہ دیکھا جس مین اُس کے چہرے کا عکس پڑا اور اس کا ظہور ہوا تو گویا وہ اسکا جلوہ ہوا اور اسی سے اس آئینہ کے جوہر مین یہ خاصیت ہوگئی ہے کہ وہ بھی مژگانی کرنے لگا ہے یا اُسکے جلوہ کی خاصیت سے مژگان بنا چاہتا ہے- یا آسان ایک یہ بھی معنی ہین کہ چونکہ اسکا جلوہ نگاہ کا تقاضا کرتا ہے تو آئینہ آنکھ بن گیا ہے کہ اُسکو دیکھے اور اُس کا جوہر اُس آنکھ کی پلکین بننا چاہتا ہے کسی کا ایک شعر پہلے مصرع کے مضمون سے لڑتا بھڑتا ہے-

چاہا تہا اُسکے جلوہ نے اک وعدۂ نگاہ — ہم اپنے دل کو دیکھ کے خاموش ہو گئے

عشرتِ قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ — عید نظارہ ہے شمشیر کا عریان ہونا

قتل گاہ تک اہل تمنا کے جانے کی خوشی نہ پوچھ گویا قاتل کی تلوار کو دیکھکر انکو ہلال عید کے دیکھنے کی خوشی ہو رہی ہے- عید نظارہ- ترکیب مقلوب ہے- اور یہان مصنف ہلال نظارۂ عید کہنا چاہتا تہا- مگر معلوم نہین کس وجہ سے نہ کہہ سکا ایک شعر ہے- لااعلم

آؤ تم سے بھی گلے مل لین ہم آج اے حسرتو — ہے ہلال عید جو خنجر کف قاتل مین ہے

لے گئے خاک مین ہم داغ تمناے نشاط — تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستان ہونا

یعنی ہم تو خوشی کی تمنا مین مر گئے خدا کرے تو ہمیشہ خوش و خرم رہے-

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا — لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

تمنا کا زخم کھانا پارۂ دل کے لئے سامان عشرت اور زخم جگر کے واسطے نمکدان مین غرق

ہونا یعنی اسپر نمک چھڑکا جانا اُسکے لیے سامان لذت ہے- زخم کے لیے نمک اور نمک کی وجہ سے لذت اور تمنا کے لیے عشرت لایا گیا ہے-

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ — ہاے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

میرے قتل کے بعد اُس نے ظلم سے توبہ کر لی ہاے کیا جلد اپنی بُری عادت سے پشیمان ہوا ہے جب کام اختیار سے باہر ہو چکا ہے- اگر یہی معنی لیے جائین تو یہ شعر نہجو ملیح اور از راہ تشنیع ہے- اسی سے یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہین کہ وہ بڑا زود پشیمان نکلا- اور بہت جلد اُس نے توبہ کی مین قتل ہو ہی چکا تہا- اور اب رقیبون کی باری آئی تھی کہ وہ پشیمان ہو کر توبہ کر بیٹھا- اگر پہلے معانی پسند ہون تو ایک شعر حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کا سنیے جسمین داد فصاحت دی گئی ہے اور یہی مضمون ہے- ہاے فرماتے ہین کہ

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب — کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب — جسکی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

اس کے صاف صاف معنی تو یہ ہین کہ اس چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے جسکی تقدیر مین عاشق کا گریبان ہونا لکھا ہو- مگر دراصل یہ قصہ طلب شعر ہے- غالب مرحوم جب چوسر بازی کی بدولت قید مین رہے تھے اور کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے تو اسپر ایک مرتبہ یہ شعر کہا ہے

ہم غمزدہ جسدن سے گرفتار بلا ہین — کپڑون مین جوین بخیہ کے ٹانکون سے سوا ہین

اور جسدن اس زندان تیرہ و تار سے نجات پائی کپڑے تبدیل کیے پرانے دھرانے میلے کچیلے کپڑے پہاڑ پھینکے اور ساتھ ہی یہ شعر کہا-

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تہا — تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تہا

رات کو ساقی کے شوق نے وہ قیامت برپا کر رکھی تھی کہ مجکو دریاے شراب تک صورتخانۂ خمیازہ یعنی انگڑائی کی شکل پر نظر آتا تہا- چونکہ شوق مین ایک انتشار رہتا ہے اور خمار بھی ایک تکلیف دہ چیز ہے اسواسطے شوق کو خمار سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ شوق ساقی کا تہا-

اسواسطے اس کو خمار کہنا اور بہی اچھا ہے یعنی میری جمائیان اتنی اتنی لمبی تہین کہ وہ دریاے شراب تک پہونچگئی تہین۔

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا — جادہ اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تہا

یک قدم وحشت یعنی تہوڑی سی وحشت سیا وحشت کے ایک قدم چلنے سے گویا دفتر امکان کی مین نے سیر کرلی۔ گویا وہ جادہ جسپر مین نے وحشت مین قدم رکھا تہا جادہ نہ تہا۔ بلکہ وہ جادہ ایک شیرازہ تہا جس مین اجزاے پریشان ہر دو عالم منسلک تھے۔ اس مین اپنی وحشت کی زیادتی اور عظمت دکھانا مقصود ہے کہ حالانکہ مین ایک ہی قدم چلا یعنی بہت کم میری وحشت کا ظہور ہوا۔ مگر اس کم وحشت مین مین نے ہر دو عالم کو روند ڈالا۔ اگرچہ مولانا علی حیدر صاحب نے اس مین کھینچ تان کر تصوف کے معانی پیدا کردیے ہین مگر مین کہتا ہون کہ یہ مرزا کا خاص مضمون ہے اور ایسے ہی مضامین اور خیالات کا انہون نے کئی جگہ اظہار کیا ہے مثلاً۔ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سر دامن بہی ابہی تر نہوا تہا

اور کئی جگہ علیٰ ہذا۔

جادہ کو شیرازہ سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ نہایت نازک ہے اس سے پہلی غزلون مین بھی لکھ چکے ہین۔ کہ ؎

نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب — کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشان کا

مانع وحشت خرامی ہاے لیلیٰ کون ہے — خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تہا

جناب نظم صاحب اس شعر کے یہ معنی تحریر فرماتے ہین۔ کہ مصنف نے صحرا گرد مجنون کی صفت ڈال کر اس کے گھر کا پتہ بتا دیا یعنی مجنون کا گھر تو صحرا ہے اور صحرا وہ گھر ہے جسمین دروازہ نہین پھر لیلیٰ کیون نہین وحشی ہوکر اس کے پاس چلی آتی کون اسے مانع ہے۔

میرے نزدیک اگر وہ معنی غلط نہین ہین تو نہون مگر مندرجہ ذیل معانی اس سے زیادہ فصیح ہین اور انکی صحت پر غالب کے طرز بیان کو مین گواہ بناتا ہون۔

یعنی اگر مجنون ایسے گھر مین قید تہا۔ یا ایسے گھر مین رہتا تہا کہ جسمین دروازہ نہ تہا۔ اور

اس سبب سے وہ کہین آجا نہ سکتا تہا۔ اور اس سبب سے وحشت سے باز رہتا تہا وہ تو مجبور تہا مگر لیلیٰ جس کے گھر مین دروازہ بہی موجود تہا اور جو نکل سکتی تہی اور وحشت خرامی کرسکتی تہی اس کو کون مانع آتا تہا کہ وہ جنگلون مین نہین نکلجاتی تہی۔ اسپر جذب عشق مجنون کا اثر ہونا چاہیے تہا۔ اور مجنون کی قید اور جنون کی وجہ سے اس کو وحشت ہونی چاہیے تہی

یہ مصنف کا خاص انداز بیان ہے ان کے متعدد اشعار اس رنگ کے موجود ہین جنمین وہ معشوق کو عاشق کے مقابلہ مین گنہگار قرار دیتے ہین۔ اہل نظر غور فرماین ؎

جلوہ گاہ آتش دوزخ ہمارا دل سہی — فتنہ شور قیامت کسکی آب و گل مین ہے

بنجود بوقت ذبح طپیدن گناہ ما — دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہ کیست

پوچھ مت رسوائی انداز استغناے حسن — دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تہا

حسن ہرچند کہ مستغنی ہے مگر اس کے استغنا کی رسوائیان کچھ نہ پوچھئے۔ ہاتھ مہندی کا اور رخسارہ غازہ کا مرہون احسان ہے اور یہ احسان باعث رسوائی ہے۔

نواب مرزا خان داغ دہلوی مرحوم ایک جگہ فرماتے ہین اور کیا خوب فرماتے ہین ؎

اپنی صورت پہ جو نازان ہو تمھارا کیا ہے — آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بباد — یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تہا

میرے نالۂ دل نے لخت دل کے اوراق کو یعنی دل صدپارہ کو پریشان کردیا۔ گویا نالہ ایک شاعر تہا جس کا دیوان دل پریشان تہا۔ اس نے اس کو جو بحیثیت ایک یادگار تہا اس کو خود برباد کردیا۔ بباد دادن فارسی کا محاورہ ہے۔ اردو مین برباد کرنا۔

دوست غمخواری مین میری سعی فرماوینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاوینگے کیا

دوست اقربا میری کیا غمخواری کرسکتے ہین اب میرے ناخن تراش کر مرہم لگا دیا ہے اور اپنی تدبیر پر نازان ہوگئے ہین مین کہتا ہون کہ جبتک یہ زخم بھریگا میرے ناخن بہی بڑھ جائینگے اور مین پھر اس زخم کو نوچ ڈالونگا۔ ایسے شعر اردو کے لیے مایۂ ناز ہین۔ اور غالب کو غالب انہین اشعار نے بنا دیا ہے ناطق گرانی کہتے ہین ؎

۲۱

لذت زور دسکہ دل ترا من گرفت — ناخن زدم بداغ اگر بہ شدن گرفت

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک — ہم کہینگے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا

یعنی استغنا اور بے نیازی کی بھی کوئی حد ہوتی ہی اور اب آپکی بے نیازی حد سے گذر گئی۔ اب کبتک آپ میرا حال دل سنکر کیا کیا کہے جائین گے اور تجاہل عارفانہ سے کام لین گے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا — کہانتک اے سراپا ناز کیا کیا

؎ اور

حد چاہیے سزا مین عقوبت کیواسطے — آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

حضرت ناصح گر آئین دیدہ و دل فرشِ راہ — کوئی مجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

اگر حضرت ناصح تشریف لاتے ہین تو بسم اللہ سر و چشم تشریف لائین۔ مگر کوئی للہ مجھے یہ تو سمجھا دے کہ وہ مجکو کیا سمجھائین گے یعنی کیا مجھے انھون نے ناسمجھ خیال کر رکھا ہے مین ناسمجھ نہین ہون سب سمجھتا ہون مگر عشق سے مجبور ہون اس مین میرا کوئی اختیار نہین ہی۔ ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادہر نہین آتی

اسی مضمون کو ادنی تغیر کے ساتھ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

دل کو سب باتون کی ہی ناصح خبر — سمجھے سمجھائے کو ہم سمجھائین کیا

آج وان تیغ و کفن باندہے ہوے جاتا ہون مین — عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا

یعنی روزانہ وہ ؎ مرزا یاس

خنجر کو جو پاتے ہین تو ہمکو نہین پاتے — اور ہم کو جو پاتے ہین تو خنجر نہین ملتا

مگر دیکھین آج کیا عذر کرین گے کہ تلوار اور کفن سب موجود ہین۔ اسی مضمون کو مولانا عرفی نے نہایت عمدہ طریقہ سے نظم کیا ہے جس کا جواب نہین فرماتے ہین کہ ؎

منم آن سیر زجان گشتہ کہ با تیغ و کفن — تا در خانہ جلاد غزل خوان رفتم

عرفی کے یہان دو لفظ شعر مین ایسے ہین کہ جن سے شعر کا پایا بہت عالی ہو گیا ہی سیر زجان گشتہ اور غزلخوان۔

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی — یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

اگر ناصح نے ہم کو قید کر دیا۔ اچھا یہی سہی۔ مگر کیا اس قید سے وہ جنون جاتا رہے گا جو عشق نے مجھ مین پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے مصرع مین استفہام انکاری و استخباری ہے۔ یعنی نہین چھوٹ سکتے۔ اگر غالب پر الفاظ کے جمع کرنے کی تہمت لگائی جاے تو یہ بھی سمجھ کر کہ چھٹنا اور قید ہونا بھی دونون اچھے لفظ ہین جنکے جمع ہونے سے اک لطف پیدا ہو گیا ہی یہ ایک عام مضمون ہی مگر یہان نہایت خوبی سے ادا ہوا ہے۔

خانہ زادِ زلف ہین زنجیر سے بھاگین گے کیون — ہین گرفتارِ وفا زندان سے گھبرائینگے کیا

ہم زلف کے جو زنجیر سے زیادہ ہی، غلام خانہ زاد ہین تو زنجیر سے کیا بھاگینگے۔ ہم قید گرفتاری سے کیا گھبرائین گے۔ کہ وفا کے پابند ہین جو قید سے بھی زیادہ ہی یعنی ناصح ہم کو زنجیر اور قید سے کیا ڈراتا ہی ہم کو ان سے زیادہ چیزون سے سابقہ پڑا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہی کہ جب ہم زلف اور وفا کے عاشق ہین تو ان چیزون سے کیا گھبرائین یہ تو اس کا نتیجہ ہین

ہی اب اس معمورہ مین قحطِ غمِ الفت اسد — ہمنے یہ مانا کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا

دلی سے محبت اٹھ گئی اور یہان غم الفت کہین نہین اس کا قحط ہی تو ہم جو غم الفت کھانے کے عادی ہین یہان رہ کر کیا کھائین کیونکہ وہ یہان نایاب ہی لامحالہ ہم کو یہ شہر چھوڑ دینا پڑے گا۔ کیونکہ ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح — نتوان مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

جناب نظم یون فرماتے ہین۔ ہمین غم کھانے کا مزا پڑا ہوا ہی اور وہی یہان نہین ہی یعنی اس شہر مین ایسے معشوق نہین ہین جن سے محبت کیجیے حسرت صاحب نے بھی یہی شرح لکھی ہے میرے نزدیک اس مین ایک قباحت ہی۔ وہ یہ کہ جناب حسرت صاحب نے محض معشوقون کو خاص کر دیا ہی۔ اور قحط ایک عام وبا ہے یعنی اگر معشوق نہین ہین تو دیگر اعزا اقربا کا

غم بھی کھانے کو نہین ملتا۔ یہان الفت سے محض عشق مراد نہین ہے بلکہ باہمی تعلقات ہین۔ واللہ اعلم۔ ناظرین جسے چاہین صحیح سمجھین۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ہماری قسمت مین اس سے ملنا نہ لکھا تھا۔ اب تک جیتے رہے اور اس کے وصل کا انتظار کیا۔ اگر اور بھی جیتے تو بھی انتظار ہی کرنا پڑتا وصل نہوتا۔

اس زمین مین قریب قریب سب مشہور شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین مگر مرزا غالب مرحوم نے دو ایک شعر ایسے کہے ہین جن کا جواب نہین۔

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ہم تیرے وعدہ کرنے سے جئے تو تو نے یہ سمجھکر جھوٹ جانا کہ اگر ہمارے وعدے کا اعتبار ہوتا تو تجھے شادی مرگ ہو جاتی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اے جان تیرے وعدہ کرنے پر جو ہم جیتے رہے تو تو سمجھ کہ ہم نے اس کو جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ اگر کہین ہم کو اس وعدہ کا اعتبار ہوتا تو ہم خوشی سے مر جاتے۔ بہرحال شعر نہایت عمدہ ہے۔ ایک شعر اسی مضمون کا یاد نہین کسکا ہے

بیم از وفادار و بدہ وعدہ کہ من — از ذوق وعدۂ تو بفردا نمی رسم

ترے نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا — کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

چونکہ تو نازک ہے اس لیے تیرا عہد بھی نازک تھا یہ ہم کو اس وجہ سے معلوم ہوا کہ اگر وہ عہد مضبوط ہوتا تو تو اس کو نہ توڑ سکتا۔ کیونکہ نازک آدمی سے ایسا اہم کام نہین ہو سکتا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو — یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یعنی وہ تیر جسے تو نے آدھا کھینچکر چھوڑ دیا ہے اسے کوئی میرے دل سے پوچھے یعنی اس کی لذت سے بس میرا دل ہی واقف ہے کہ اگر یہ نیمکش نہوتا اور تو پوری قوت سے اس کو چھوڑتا تو یہ جگر کے پار ہو جاتا اور خلش کا لطف باقی نہ رہتا۔ یہان تیر نیمکش سے مراد کنکھیون سے دیکھنا ہے۔ یہ شعر مقبول عام ہے۔ اور کوئی شک نہین کہ بیمثل کہا گیا ہے۔ جو کا و

دبتا ہے۔ اور اس سے دو جیم جمع ہو گئے ہین۔ اور یہ عیب ہے مگر یہان برا نہین معلوم ہوتا۔ چستی بندش اسی کا نام ہے۔ جو کی واو کا گرنا غیر فصیح نہین ہے بلکہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ذوق مرحوم ایک جگہ ایسا ہی مضمون دوسرے پہلو سے نظم فرمائے ہین وہ بھی بہت خوب ہے مگر غالب کا شعر مقبول عام ہے اور ایسی جگہ کہنا پڑتا ہے کہ خدا جسکو چاہے عزت دے۔ ذوق

شکر یہ وہ ہی مین اس بت کو حیا نے رکھا — ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

ایک شعر ذوق مرحوم کے مضمون سے ملتا جلتا منشی امیر احمد صاحب مرحوم کے یہان بہت خوب ہے

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے — شوخیون نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دونون شعر غالب کے شعر سے ہم مضمون ہین بلکہ نہین کچھ کچھ فیما بین مشابہت ہے اور یہ محض تیر نیمکش نے مجھے یاد دلا دیے ہین۔

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح — کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

شاعرون کے لیے غمخوار دوست بھی ایک دشمن ہے اور ناصح کو تو ہمیشہ برا بھلا کہا ہی جاتا ہے اسکا ذکر ہی فضول ہے یہی غالب بھی کہتے ہین کہ یہ کہان کی دوستی ہے کہ دوست مجھے نصیحت کرنے بیٹھ گئے ہین یہ کہان کی دوستی ہے کہ دوست ناصح بنکر میری جان کھائے جاتے ہین۔ کوئی میری غمگساری کرتا کوئی میرے دکھ درد کا علاج کرتا۔

کہون کس سے مین کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے — مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

کس سے کہون اور کیا کہون کہ شب غم کیا چیز ہے اس مین مجھے روز سیکڑون بار موت آتی ہے اور مر نہین جاتا۔ اگر ایک بار مر کر اس عذاب سے نجات پا جاتا تو بہت اچھا تھا مگر ایسا نہین ہے مجھے کسی اور شخص کا ایک شعر یاد ہے جو اگر میرا قیاس غلطی نہین کرتا ہے تو ضرور اسی غالب کے شعر سے ماخوذ ہے

نہ پوچھ ہجر کی راتون کی کاہشین ہمدم — وہ کیا جئے گا جسے موت بار بار آئے

بقول مولانا نظم صاحب یہ شعر حد تحسین سے باہر ہے۔

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

24

مصنف غم کی سختی اور بُرائی کو ایک دوسری تکلیف دہ چیز سے تشبیہ دیکر بیان کرتا ہی کہتا ہی جیسے تم غم سمجھے ہوا گر یہ شرارہ ہو کر پتھر میں چھپ جاتا تو پتھر سے لہو ٹپکتا یعنی پتھر بھی خون کے آنسو بہاتا اور ایسے آنسو بہاتا کہ پھر وہ آنسو تھم نہ سکتے مطلب یہ ہی کہ دل میں آگ کو چھپا سکتے مگر غم کو نہیں چھپا سکتے ہیں پتھر سے تشبیہ دینے میں ایک یہ لطافت مد نظر رکھی ہے کہ سخت دل سے زیادہ سخت دل بھی غم کی برداشت نہیں کرسکتا ہی یا یہ کہ شرار جو پتھر میں ہوتا ہی اگر یہ غم ہوتا تو پتھر اس کی برداشت نہ کرسکتا اور ہمیشہ اس سے خون ٹپکا کرتا۔

غم اگرچہ جانگسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

غم اگرچہ جان کا گھلا دینے والا ہوتا ہے مگر اس سے کوئی متنفس بچ بھی نہیں سکتا اس لیے کہ دل موجود ہے اور دل کا خاصہ رنج و غم ہے اور وہ اس سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا۔ اب ہمکو عشق نے مار رکھا ہے مگر اس غم جانگسل کو ہم بُرا کیا سمجھیں اگر یہ غم نہ ہوتا تو اور کوئی غم ہوتا غرضکہ جب تک دل ہے غم سے نجات نہیں پا سکتے (پہ) پر کے بجائے اب متروک ہے اور دیگر بھی بجائے مگر اور لیکن کے غیر فصیح اور قابل ترک ہے دگر میں کچھ بُرائی نہیں ہے مگر اچھا یہ ہی کہ اگر لکھا جائے یعنی ہی۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا — نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہم مر کے رسوا ہوئے کہ جنازہ اُٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت پڑی۔ رسوائی یوں ہوئی کہ کوئی نہ ہمارا جنازہ اٹھانے والا ہے نہ مزار بنانے کا کسیکو خیال ہے اس سے ہم بیکس اور خانماں خراب مشہور ہوئے اور دنیا کو ہماری بے خانمانی اور بیکسی کا پتہ چلا اور سب کو ہماری حالت کا اندازہ ہوگیا ورنہ کوئی جانتا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔ کاش ہم کہیں دریا میں ڈوب جاتے کہ جنازہ اٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تو ہمارا حال کسی پر نہ کھلتا اور ہم بدنام نہ ہوتے۔

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

یعنی اگر ذات واحد میں دوئی پائی جاتی تو کبھی نہ کبھی تو وہ کسیکو دکھائی دیتا۔ دو چار

ہونے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ کبھی اُس کی کسی سے جنگ ہوتی اور یہ دلیل قرآنی سے ہے۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اگر آسمان و زمین میں سوائے خدائے پاک کے چند خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔ کیونکہ چند طبیعتیں یا اختیارات مجتمع نہیں ہوسکتیں معترض کرسکتا ہی۔ کہ اگر وہ باہم سلوک کر لیتے تو فساد نہ ہوتا۔ مگر اسکا یہ جواب ہی کہ صلح دو برابر والوں میں نہیں ہوسکتی۔ ایک غالب ہوگا اور ایک مغلوب۔ اور جو مغلوب ہی وہ خدا نہیں ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ — تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب تونے جو مسائل تصوف بیان کیے یہ ایسے مسایل ہیں کہ کہیں اگر تو شراب خوار نہ ہوتا تو ہم تجکو ولی کامل سمجھتے۔ یا اگر تو شراب خوار نہ ہوتا تو پورا ولی تھا۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مولانا نظم اس کے معانی یوں بیان فرماتے ہیں کہ رقیب بوالہوس کو نشاط کار سو لطف وصل نگار حاصل ہے اب ہمارے جینے کا کیا مزہ رہا مصنف کی اصطلاح میں ہوس محبت رقیب کا نام ہے۔ دوسرا پہلو یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو ہوا و ہوس سے رہائی نہیں ہے اگر مرنا نہ ہوتا تو اس طرح کے جینے میں کوئی مزا نہ تھا یعنی حاصل زندگانی مرنا ہے۔ اور جناب حسرت صاحب نے صرف یہ لکھا ہے نشاط کے معنی امنگ کے ہیں یعنی کام کرنے کی امنگ۔ مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں ہی کہ مصنف کی ایک خاص اصطلاح مقرر کی جائے۔ سیدھے سیدھے یہ معنی ہیں کہ حرص انسانی کو محض کام کرنے کی امنگ اور خوشی اسی وجہ سے ہی کہ مرنا لابدی ہی یعنی آدمی خوش ہوتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ بھی کر لیا اور وہ بھی کر لیا اور میری زندگی میں یہ ہو جائے وہ ہو جائے۔ اگر مرنا نہ ہوتا تو زندگی کا کوئی لطف نہ تھا کیونکہ کسی کو کسی کام کے نبجانے کی کوئی خوشی نہ ہوتی۔ نہ کسی کے دل میں امنگ باقی رہ جاتی۔ کیونکہ ہر شخص مطمئن ہو کر آج کے کام کو کل پر اور کل کے کام کو پرسوں پر ٹال دیتا۔ اور سمجھتا کہ مرنا تو ہی ہی نہیں جب چاہیں گے کر لیں گے۔ اس صورت میں نہ کوئی کام ہوتا نہ خوشی ہوتی۔ اور جینے کا مزا جو محض خوشی پر منحصر ہے باقی نہ رہتا۔ نہ زیست کا کوئی حاصل ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاصل زندگی موت ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا　　کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

پہلے ایک شعر اسی مضمون کا آچکا ہے ؎
بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک　　ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

نوازشہائے بیجا دیکھتا ہوں　　شکایتہائے رنگین کا گلا کیا

آپ جو رقیب پر بیجا عنایتیں فرماتے ہیں اور میں انہیں دیکھ کر شکایتیں کرتا ہوں اسکا آپ مجھ سے کیوں گلا کرتے ہیں یہ بیجا نوازشیں دیکھکر کیونکر میں خاموش رہ سکتا ہوں یا یہ کہ میں آپ کی بیجا نوازشیں جو میرے حال پر ہوتی ہیں دیکھتا ہوں یعنی ظلم و ستم سہتا ہوں۔ پھر اس حال میں اگر آپ میری شکایتیں رنگین الفاظ میں کرتے ہیں تو ان کا تو بھلا کیا گلا کروں گا۔ یا یہ کہ جب میں بیجا نوازشیں دیکھتا ہوں تو آپ جو مجھ سے رنگین شکایتیں فرماتے ہیں انکا متحمل کیوں نہ ہونگا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں　　تغافلہائے تمکین آزما کیا

میری خواہش یہ ہے کہ تم مجھ پر بے تکلفانہ نظر ڈالو۔ مگر تم تغافل سے کام لیتے ہو اور میرے ضبط اور تحمل کا امتحان لینا چاہتے ہو۔ اسی غزل میں آگے چل کر اسی مضمون کو نہایت صاف طریقہ سے ادا کرتے ہیں ؎
کیا کس نے جگرداری کا دعوے　　شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے　　ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

رقیب کا عشق عشق نہیں ہے وہ محض ہوس ہے۔ اور اس کو ناموس وفا کا کچھ خیال نہیں ہے اس کی محبت کی مثال ایک تنکے کے جلنے کی سی ہے کہ دم بھر جل کر روشنی دیتا ہے پھر کچھ نہیں بقول حضرت ناطق مدظلہ ؎ اہل ہوس کو درد محبت کہاں نصیب۔ یہ مال ہے کہیں نہیں ملتا پڑا ہوا۔
ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اس کی وفا کچھ بھی نہیں　　چار دن کی چاندنی ہے اور کیا کچھ بھی نہیں

نفس موج محیط بیخودی ہے　　تغافلہائے ساقی کا گلا کیا

ہماری ہر سانس دریائے بیخودی کی ایک موج ہے یعنی دمبدم بے ہوشی کا دورہ ہوتا ہے تو ہم کو ساقی کے تغافل کی کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ اور اس کی کیا ضرورت ہے۔

دماغ عطر پیراہن نہیں ہے　　غم آوارگیہائے صبا کیا

اگر مجھے پیراہن کے بسانے کا دماغ ہوتا تو صبا کی آوارہ گردی کا غم ہوتا۔ کہ یہ بوئے گل کو پریشان کیوں کرتی پھرتی ہے اگر یہ جمع رہتی تو میرے پیراہن بسانے میں کام آتی۔ مگر مجھے پیراہن بسانے ہی کا دماغ نہیں ہے تو صبا کی اس حرکت بیجا کا کیا غم کروں۔ اسی زمین میں نواب مصطفےٰ خان صاحب شیفتہ کی ایک غزل ہے جس کو دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی یہ غزل دیکھکر کہی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انھوں نے اس کے مضمون نقل کیے ہیں بلکہ غزل کا انداز بالکل یہی ہے چنانچہ صبا کا قافیہ اُن کے یہاں یہ ہے اور اس میں ایک آدھ لفظ ایسا ہے جو میرے خیال کی تائید کرتا ہے ؎
شمیم گل میں بوئے پیرہن ہے　　غلط ہے یہ کہ احسان صبا کیا
شیفتہ مرحوم کا شعر بہت بلیغ ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر　　ہم اُسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ہر قطرہ سے صدائے انا البحر بلند ہو رہی ہے اور ہر ایک قطرہ اتحاد دریا کا دعویدار ہے اسی طرح ہم بھی اپنے دریا کے ساتھ دعوائے اتحاد رکھتے ہیں ہم اس میں سے یا اُس سے ہیں ہمارا کیا کہنا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎
قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل　　کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا
شیفتہ اسی قافیہ کو یوں فرماتے ہیں ؎
ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال　　جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا
غالب مرحوم کے یہاں نہایت عمدہ طریقہ سے اس قافیہ کو باندھا گیا ہے اور شیفتہ کے یہاں بالکل معمولی۔

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ　　شہیدان وفا کا خونبہا کیا

تجھے خوف ہی کہ اگر تو میری طرف دیکھے گا تو مین مرجاؤن گا۔ مگر نہین تو خوف نہ کر میری طرف دیکھ اگر مین شہید ہو جاؤن گا تو تجکو خونبہا دینا نہ پڑے گا کیونکہ شہیدان وفا کا خونبہا ہوتا ہی نہین ہی (ادہر دیکھ) ایک محاورہ ہے جو محل تاکید پر مستعمل ہی مگر یہان یہ محاورہ دونون معنی پیدا کرتا ہے اور یہ سب صرف برمحل کی خوبی ہے شیفتہ مرحوم نے بھی قریب قریب یہی مضمون ادا کیا ہے مگر ان کے یہان بھی شعر کی بندش نہایت چست ہے جو کسی طرح غالب سے کم نہین ہی

فنائے عاشقان عین بقا ہے دیت زندون کی کیسی خونبہا کیا

کہتے ہین کہ تو عاشقون کو قتل کر انکا فنا ہونا عین بقا ہے اور جب وہ باقی ہین تو گویا زندہ ہین اور زندہ کی دیت اور خونبہا نہین دیا جاتا۔

سُن اے غارتگر جنس وفا سُن شکست قیمت دل کی صدا کیا

اے غارتگر جنس وفا۔ اے صدائے شکست قیمت دل کے شایق سُن مگر شکست قیمت دل مین صدا کہان ہوتی ہے۔ یہان سُن سے دونون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ آ میری بات سُن یا شکست قیمت دل کی صدا سُن جسے تو سُن نہین سکتا۔ مین نے کئی نسخون مین بجائے قیمت کے شیشہ دیکھا ہی اور وہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے شیشہ سے حسن شعر دوبالا ہو جائیگا سِن سے یہ معنی مفہوم ہوتے ہین کہ بطور طنز اس کو تعبیر کیا جاے۔ یا کہا جاے کہ لے سُن اگر تجھے دل کے ٹوٹنے کی صدا اچھی معلوم ہوتی ہی تو مین بھی شکست دل کی کچھ حقیقت نہین سمجھتا۔ نظم صاحب نے اپنی شرح مین موخرالذکر معنی لکھے ہین اور یہ بھی۔ کہ تو جو کہتا ہے کہ ہمین شکست دل کی خبر نہین تو کہین شکست دل مین آواز ہوتی ہی جو تجھے سنائی دیتی۔ بہر حال یہ شعر نہایت اچھا ہی۔

کیا کِس نے جگر داری کا دعویٰ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

یعنی مجھے یہ دعویٰ نہین ہی کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ تو مین صبر کر سکون گا۔ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا
کِس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

او قاتل او کافر تو ایسا وعدہ کیون کرتا ہی جس مین مجھے صبر کی ضرورت پڑے تیرے نزدیک یہ وعدہ صبر آزما ہی مگر میرے نزدیک یہ ایک فتنہ طاقت ربا ہی۔ یہ انداز بیان مرزا غالب کا حصہ ہی شیفتہ مرحوم نے بھی اس رنگ مین اسی انداز بیان سے کام لیکر ایک نہایت لطیف قطعہ کہا ہی۔ اور تقلید اور تتبع کا حق جیسا چاہیے ویسا ادا کیا ہے انتہا یہ ہی کہ اگر معلوم نہو تو شاید کوئی معلوم نہ کر سکے کہ شیفتہ کا قطعہ ہے یا غالب کا تفریح طبع ناظرین کے لیے مین اس کو یہان نقل کرتا ہون۔

کہا کل مین نے اے سرمایۂ ناز تلون سے ہے تجکو مدعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیون کبھی بے وجہ غیرون سے وفا کیا
کبھی محفل مین وہ بیباکیان کیون کبھی خلوت مین یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفرین کیون کبھی الطاف جرأت آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہاے جانگزا کیون کبھی یہ نغمہ ہاے جانفزا کیا
کبھی شعرون سے میرے نغمہ سازی کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی بے جرم یون آزردہ ہونا کہ کیا طاقت کہ پوچھون مین خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بھی تسکین پئے ہم جلوہ ہاے دلربا کیا
یہ سب طول اُس نے سنکر بے تکلف جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہین تم
کہ باتین عشق مین ہوتی ہین کیا کیا

ہم کو یہان یہ لکھدینا بھی ضرور ہوا کہ فی زمانہ مرزا غالب کے کلام کو عام مقبولیت حاصل ہے اور بڑے بڑے خوشگو اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہین کہ غالب کے رنگ کی تقلید کیجاے مگر بدقسمتی سے بہت کم لوگ ایسے ہین جن کو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ غور کرنے پر جہان تک ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہی کہ مقلدان غالب نے اکثر مغلق الفاظ سے غالب کی تقلید کا بیڑا اٹھایا ہی۔ باقی نہ معانی آفرینی ہے نہ نازک خیالی۔ نہ بندش چست ہی نہ مضامین اعلیٰ ہین اسی سبب سے کہنا پڑتا ہی۔

22607

کلاغی تک کبک در گوش کرد　　تک خویشتن را فراموش کرد

بعض لوگ ایسے ہین جنھون نے چند الفاظ مین غالب کے اتباع کو ختم کر دیا ہی اور وہی الفاظ اُن کے فیصدی ۹۵ اشعار مین پائے جاتے ہین۔ مثلاً مرکز۔ رگین کھینچنا۔ تشنج پیدا ہونا۔ خون دل کا سمٹنا۔ اور بہت سے الفاظ جنھین ضرور کہین ہم مفصل لکھین گے۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہی کہ غالب کی اشعار مین درد زیادہ ہے اور محض اسی خوبی سے غالب کی شاعری کو قابل اتباع قرار دیا ہے مگر درد پیدا کرنے کا طریقہ ایک خاص مقرر کر لیا گیا ہے کہ جسقدر مضامین ہون اُن مین موت کا ذکر کیا جائے اور فیصدی ۷۵ شعرون مین جنازے اٹھائے جاتے ہین لکھنو کے بعض موجودہ شعرا مین اکثر اسی قسم کے شعر پسند کیے جاتے ہین۔ بلکہ مین اپنے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کو تیار ہون کہ وہ شعر ہی اچھا نہین سمجھا جاتا۔ جہان موت اور نزع کے مصائب نہ بیان کیے جائین بلکہ یہان تک کہدینے مین باک نہین ہے کہ انبساط و انقباض جو شعر کی دو خاص تعریفین ہین ان مین سے انبساط تو بالکل غائب ہے رہا انقباض وہ اور کسی صورت سے پیدا نہین کیا جاتا محض موت کے مضمون لکھدیے جاتے ہین۔ چونکہ ذکر موت ایک ایسا ذکر ہی جس سے ہر شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین اس لیے اسی ذکر اور مضمون کو معیار درد قرار دیدیا گیا۔ اور لطف یہ کہ اسی ایک مضمون کی بنا پر کوئی خود کو غالب کا صحیح متبع اور کوئی میر تقی میر کا مقلد کہکر خوش ہوتا ہے۔

اندھیری راتین گور غریبان پر چراغ کا ٹمٹمانا۔ مرنے کے وقت بالون کا پریشان کرنا وغیرہ وغیرہ چند مضمون ہین۔ میر از روے سخن کسی خاص فرقہ کی طرف نہین ہے بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے محض تقلید کی بنا پر۔ اب متبعان غالب شیفتہ کے کلام کو انصاف سے دیکھین اور اگر مین غلطی پہ ہون (حالانکہ کئی دیوان موجودہ شعرا کے میری شہادت کے لیے تیار ہین۔) تو مجھے معاف فرمائین۔

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات　　عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

یعنی اسکی عبارت اشارت ادا سب بلائے جان ہین۔ گویا ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا　　پھر غلط کیا ہی کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

یعنی جب ہماری برابر کسی پر قہر و غضب نہین کیا گیا۔ اور ہماری طرح کوئی آفت اور مصیبت مین مبتلا نہین ہوا تو یہ کیا بیجا ہے جو ہم کہتے ہین کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

یعنی عبادت اور بندگی مین آزادی نہین چلتی مگر ہم اس میں بھی ایسی آزادی سے کام لیتے رہے کہ اگر خانہ کعبہ کا دروازہ بند دیکھا تو وہان سے واپس چلے آئے۔ پھر اور کسی کی تو کیا حقیقت ہے۔ عرفی اسی مضمون کو ایک دوسری طرح سے علی الرغم ظاہر کرتے ہین اور کیا خوب فرماتے ہین ؎

وقت عرفی خوش کہ نکشودند چون در بر رخش　　بروز نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

یعنی مین وہان گیا۔ اور اس کے گھر کا دروازہ بند دیکھکر مین نے واپس ہونا یا کسی دوسرے دروازہ پر جانا مناسب نہ سمجھا وہین پڑ رہا۔

اور غالب کہتے ہین کہ مین نے اپنی وضع کو ہاتھ سے جانے نہین دیا در کعبہ بند دیکھکر واپسی مناسب سمجھی مگر اور کسی طرف کا رخ نہین کیا۔ یا وہان رہ کر انتظار دروازہ کھلنے کا نہین دیکھا۔

سب کو مقبول ہے دعوےٰ تری یکتائی کا　　روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

تو وہ بے نظیر ہے کہ تیری یکتائی کو کوئی نہ مٹا سکا اور کوئی آئینہ سیما معشوق تیرا مقابل پیدا نہ کر سکا۔ خاصہ ہی کہ جب آئینہ مقابل ہوتا ہی تو مدمقابل پیدا ہو جاتا ہی لیکن یہان وہ مسلمہ قضیہ بھی ٹوٹ گیا (آئینہ سیما) جسمین عکس یعنی مدمقابل ہونے کا پورا احتمال تھا وہ بھی کوئی مقابل پیدا نہ کر سکا اس شعر کو اگر وحدت وجود کے بارے مین مان لین تو شاید کچھ بیجا نہو گا یہ ایک عام مضمون ہی یا یہ کہ کوئی تیرا مقابلہ نہ کر سکا۔

کم نہین نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوبان　　تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہوا

تیرے بیمار کی بیماری بُری نہین ہے اسلیے کہ معشوقون کی آنکھ کو بھی بیمار کہتے ہین اور یہ بھی بیمار ہے تو اس صورت سے یہ اس کا ہمنام ہوا اور ہمنامی کا فخر کچھ کم اس کے لیے مایۂ ناز نہین ہے اس شعر مین انتہائی حسرت ہے اور قائل اپنی بدترین حالت تو معشوق کی ایک چیز سے ہمنام پا کر اسی پر صبر نہین بلکہ ناز کرتا ہے۔

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا　　خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہوا

یعنی وہ نالہ جو دل سے لب تک نہ آسکے اک داغ بنکر سینہ مین رہ جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے وہ قطرہ کہ دریا تک نہین پہونچتا ہے خاک مین مل کر رہ جاتا ہے اور داغ کی صورت پیدا کرتا ہے ایسے ہی مضمون کو مصنف نے اک نئے رنگ سے دوسری جگہ یون بیان کیا ہے ؎

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین ابھرین پے بہ پے　　میری آہین بخیۂ چاکِ گریبان ہوگئین

نام کا میرے ہے جو دُکھ کہ کسیکو نہ ملا　　کام مین میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہوا

مطلب یہ ہے کہ دنیا مین ہزارون دُکھ ہین جن سے اہل دنیا ناواقف ہین اور اسی لحاظ سے اُن دکھون کی ہستی کو کوئی مسلم نہین جانتا مگر نہین بہت سے دُکھ ایسے ہین کہ انکو مین جھیلتا ہون اور کوئی نہین جانتا اور بہت سے فتنہ ایسے ہین جو دنیا مین نہین اُٹھے اور دنیا ان کو نہین جانتی مگر وہ میرے کامون مین اُٹھ رہے ہین۔

ہر بُنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب　　حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہوا

اس مین استفہام اقراری ہے یعنی عشق کا ذکر کیا جاے اور آنکھون سے جوے خون روان نہو یہ کیسے ممکن ہے اگر ایسا ہو تو یون کہیے کہ وہ عشق کی داستان کا ہے کو ہے امیر حمزہ کی کہانی ہے۔

قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل　　کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہوا

دجلہ ایک ندی کا نام ہے جو بغداد کے نیچے سے نکل گئی ہے اور مجازاً ہر ایک ندی کو دجلہ کہتے ہین اور یہان بھی مصنف کی مراد یہی ہے یعنی اگر دیدۂ بینا ہے تو ہر جزو مین کل اور ہر قطرہ مین دریا ضرور نظر آئے گا جیسے کہ مخلوق سے خالق اور صنعت سے صانع کا پتہ چلتا ہے اور اگر ایسا نہین ہے تو وہ دیدہ بینا نہین ہے اس مین بھی استفہام ہے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے　　دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہوا

بڑی زبردست خبر تھی کہ غالب کو سزا دیجائے گی اور اُس کے ٹکڑے کیے جائینگے مگر افسوس کہ یہ تماشا نہوا تماشا دیکھنے ہم بھی گئے تھے اس مین معشوق کا استغنا دکھایا گیا ہے کہ قتل کا وعدہ کیا اور عاشق جانباز وہان خود گیا مگر معشوق نے یہان بھی وعدہ خلافی کی اور اس کے جان لینے مین بھی انکار رہا۔ مولانا نظم صاحب اس کی شرح یون فرماتے ہین اپنی رسوائی اور مورد تعزیر ہونے کا اظہار ہے کہ لوگ اسے تماشا سمجھے ہوے ہین مگر یہ مطلب ہماری سمجھ سے باہر ہے اب دیکھیے کہ کہنہ مشق شاعر نے ایک معمولی پامال مضمون کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ نہایت بلند خیال معلوم ہوتا ہے اگر شعر مین یہ مضمون اس صورت مین لایا جاتا کہ غالب تیرے قتل کا وعدہ کیا گیا تھا اور تو وہان گیا مگر قاتل نے قتل نہ کیا تو شعر جیسا کچھ ہوتا ظاہر ہے غرضکہ ایک رکیک خیال کو چُست بندش انوکھا خیال بنا کر دکھا دیتی ہے۔ ایک فارسی کا شعر اسی خیال سے لبریز ہے مگر فرق یہ ہے کہ جس صورت سے معشوق کی بے اعتنائی کو ایک پیش پا افتادہ مضمون سے شاعر نے حسن بندش کیساتھ پیش کیا ہے وہ ایک تصویر ہے جس کے دیکھنے سے آنکھین سیر نہین ہوتین۔ ملاحظہ ہو ؎

طفیان نازبین کہ جگر گوشۂ خلیل　　آید بہ زیر تیغ و شہیدش نمی کند

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سروپا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

اسد ہم ایک بے سروسامان مجنون فقیر ہین کہ وحشت ہم کو صحرا بہ صحرا لیے پھرتی ہے

اور ہمارے پاس پشت خار تک نہیں ہے جس سے اپنی کمر کھجلا لیں چونکہ ہم جنون میں دوڑے پھرتے ہیں تو ہرن ہم سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور انکا سینہ مژگان ہماری پشت کو لگتا ہے اور وہی پشت خار کا کام دیتا ہے۔ معانی آفرینی کی حد ہے تو ہو مگر شعر کو چیستان یا بھول بھلیاں سے زیادہ نہیں کہہ سکتے اور یہ صورت محال کی حد میں ہے۔ یاد رہے کہ غالب کو غالب ان شعروں نے نہیں بنایا بلکہ مہمل گو کا خطاب دلایا تھا۔ اور یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ معنی آفرینی بھی وہیں تک اچھی ہے کہ شعر لغو نہ ہو جائے۔

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بہ خوں غلطیدۂ صد رنگ دعوےٰ پارسائی کا

چونکہ میں باوجود کوشش ہمیشہ درگاہ کریم سے قریب نہ ہو سکا تو اب اسی شرم نارسائی نے کرم کریم کی نذر کرنے کے لیے اس دعویٰ پارسائی کو تحفہ بنایا ہے جو سو مرتبہ گناہوں کے ہاتھ سے مجروح ہوا یعنی اپنی سو بار کی ٹوٹی ہوئی توبہ کو میری شرم نارسائی درگاہ الٰہی میں معذرت کے لیے پیش کرتی ہے۔ اس شعر کو نہایت بلیغ کر کے کہا گیا ہے واقعی بات اتنی سی ہے جیسے جناب مرزا قوی صاحب فرماتے ہیں ؎

بڑا کریم ہے وہ جرم بخش ہی دے گا
خدا کے سامنے سر اے قوی جھکا دینا

نہ ہو حسن تماشہ دوست رسوا بیوفائی کا
بمہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

حسن موصوف تماشہ دوست صفت یعنی حسن دوست جو تماشہ کو دوست رکھتا ہے اس سے کوئی اس کو بیوفائی کا الزام دیکر رسوا نہ کرے بلکہ اسی تماشہ دوستی سے اس کی پارسائی کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ سو آنکھیں اور نظریں جو دیکھنے والوں کی اس پر پڑتی ہیں وہ گویا سو مہریں ہیں جو اس کی پارسائی پر دال ہیں اس میں اگر طنز کا پہلو نکالا جائے تو وہ کچھ اچھا نہیں۔

زکاتِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

اے جلوۂ بینش زکوٰۃ حسن ادا کر کہ تیری زکوٰۃ لیکر فقیر کا کاسہ گدائی ایسا چراغ بنجائے

جو آفتاب کا مقابلہ کرے چراغ جلنے سے مراد گھر کی رونق ہے یعنی تو جو اُس کے کاسہ میں اپنے حسن کی زکوٰۃ دے گا۔ تو وہ کاسہ اُس کے گھر کا چراغ اور اُس کے گھر کی رونق بنجائے گا۔ ظاہر ہے کہ فقیر اگر بھیک لیکر گھر جاتا ہے تو اس کے گھر چراغ جلتا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جو یہاں نہایت بلاغت سے ادا ہو گیا ہے۔ جلوۂ بینش کو دیکھتے ہوئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاسۂ گدائی کا استعارہ آنکھوں سے کیا گیا ہے جس سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ اے جلوۂ بینش تو میری آنکھوں کو اپنا جلوہ دکھا کر روشن کر دے۔ خانہ استعارہ ہے دل سے یعنی اگر تیرا جلوہ آنکھوں میں سما جائے تو میرا دل اُس نور سے منور ہو جائے۔ نظم صاحب فرماتے ہیں کہ کاسۂ گدائی دل سے استعارہ ہے کہتے ہیں کہ اے جلوہ گاہ بینش میرے کشکول دل کو ذکا عرفان دیکر روشن کر دے کہ اس فقیر کے لیے وہ چراغ ہدایت ہو جائے اور آفتاب کی طرح شب تار جہالت کو دن کر دے مگر میرے نزدیک آنکھوں کا استعارہ کاسہ گدائی سے اکثر کیا گیا ہے جیسے آتش کہتے ہیں ؎

آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلئے

میر تقی میر علیہ الرحمہ ؎

کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تو نے محض بے جرمی کی وجہ سے مجھے قتل نہ کیا اور خیال کیا کہ یہ بیگنہ ہے اس کا خون کون اپنی گردن پر لے۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ جیسے بیگناہ کا خون گردن پر رہے گا اُسی طرح آشنائی کا حق گردن پر رہ جائے گا۔ اس شعر میں نہایت ہی نازک خیالی دکھائی ہے جو غالب کا حصہ اور اُن کی شاعری کا جوہر خاص ہے ایک شعر میں معشوق کو دوست بنا کر اس طرح اُسے قتل کی ترغیب دی ہے ؎

دوست ہو کر دیکھتے ہو تشنہ کامیِ فراق
تم پلاتے کیوں نہیں تلوار کا پانی مجھے

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضہ شکوۂ بیدست و پائی کا

میری زبان کی تمنا بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے جس کے سبب سے بیدست و پائی

کے شکوہ کا تقاضہ مٹ گیا یعنی بیدست وپائی کا شکوہ بار بار میری زبان پر تقاضہ کرتا تھا کہ مجھے بیان کر۔ مگر اب اُس نے مجھے بے زبان دیکھ کر شکایت چھوڑ دی اور وہ تقاضہ نہین کرتا اور میری زبان کی جان بچ گئی اسیوجسے زبان بے زبانی کے شکریہ مین محو ہے۔

وہی اک بات ہے جو یان نفس وان نکہت گُل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا

میری نفس اور نکہت گل کی اصل ایک جگہ اور ایک سبب سے ہے فرق یہ ہے کہ میرے یہان اُس کا نام نفس یعنی شعر ہے اور چمن مین نکہت گل اُس کا نام ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ اُدھر بہار آئی اور اس کی بو پھیلی ادھر میری غزل گوئی شروع ہوئی مصنف نے بہت صاف الفاظ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے ؎

ہے نشاطِ آمد فصل بہاری واہ واہ — پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دہان ہر بُتِ پیغارہ جو زنجیر رسوائی — عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

تیرے جور و جفا اور ظلم کا ہر ایک حسین کے منہ مین شکوہ ہے اور ہر ایک حسین کا دہن گویا ایک حلقہ ہے اور بہت سے حلقون سے زنجیر بنتی ہے تو اس طرح گویا ایک زنجیر رسوائی بنگئی ہے جو تیری نیکنامی کے پاؤن مین پڑگئی ہے۔ دوسرے مصرع مین مصنف اپنے خیال کو اور ترقی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ معشوق کے منہ کو معدوم خیال کیا ہے اور تیرا شکوہ ہر ایک معشوق کے دہن مین ہے تو لازم آیا کہ تیری بیوفائی کا چرچا عدم تک ہے۔

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے — کہ حسرت سنج ہون عرضِ ستمہائے جدائی کا

اے غالب نامہ کو اتنا طول نہ دے۔ ایک مختصر سی یہ بات لکھدے کہ میرے دل مین حسرت ہے کہ مین تیرے سامنے جدائی کے ظلمون کی شکایتین بیان کرون۔ ایک جگہ اسی مضمون کو اس سے اچھے پیرایہ مین صاف الفاظ مین یون فرماتے ہین ؎

مرے دلمین ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے اُس سے جو مین یہ بھی کہون وہ بھی

گر نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائیگا — بے تکلف داغ مہ مُہرِ دہان ہو جائیگا

اگر رنج شب جدائی بیان نہوگا تو سمجھ لیجئے کہ داغ ماہ کی میرے منہ پر مہر لگ گئی ہے ظاہر آ کوئی لطیف معنی اس شعر سے مستخرج نہین ہوتے۔

زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر مین ہوتا ہے آب — پرتو مہتاب سیل خانمان ہو جائیگا

اگر شب جدائی مین ایسا ہی پتہ پانی ہوتا ہے تو یہ چاندنی میرے خانمان میرے گھر کے لیے سیلاب ہو جائے گی یعنی ممکن ہے کہ جیسے میرا زہرہ آب ہو گیا ہے چاندنی کا بھی زہرہ آب ہو اور وہ میرے گھر کے لیے سیلاب کا کام دے۔ یا یہ کہ شب ہجر کی ہیبت ایک بارونق اور باعث تسکین شے کو بھی میری بربادی کا باعث ثابت کرے اور یہ تباہی کی اور معین اور مددگار ثابت ہو۔

لے تو لون سوتے مین اسکے پاؤن کا بوسہ مگر — ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا

میری محبت بالکل بے غرضانہ ہے اور مین اسے اُس کی آنکھون مین پاک اور بے لوث ثابت کرنا چاہتا ہون اگرچہ حالت خواب مین مجھے بوسہ کا اختیار باقی ہے مگر اُس کی بدگمانی کا خیال مانع آتا ہے۔

دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا — یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائیگا

ہم سمجھے تھے کہ ہم اپنے دل کو وفا کرکے تباہ اور برباد اور صرف کرینگے مگر اُس نے امتحان ہی مین اُس کا خاتمہ کر دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

وان گئے بھی ہم تو اُن کی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرفِ دربان ہو گئین

سب کے دلمین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا — مجھپہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائیگا

ہر ایک کے دلمین تیری جگہ ہے اگر صرف تو مجھ سے راضی ہو گیا تو سارا زمانہ مجھ سے

راضی ہو جائے گا یہ شعر تصوف کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے اور مصنف نے اس مین امثال اور محاورہ کی وجہ وجیہ بیان کی ہے کہ خدا مہربان تو سب مہربان یعنی تیری مہربانی سے سب کے مہربان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تو سب کے دل مین ہے اور ناراض ہونا محض دل پہ موقوف ہی تو جب تیرا تمام عالم کے دل پہ قبضہ ہے تو اُن کے تمام افعال و حرکات پر بھی قبضہ ہے ؎

سائین انکھیان پھیریان تو بیری ملک جہان
ٹک اک جھولا مہر کا تو لاکھون کرین سلام

**گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط
شعلہ خس مین جیسے خون رگ مین نہان ہو جائیگا**

اگر تیری نظر گرم یعنی نظر عتاب اسی طرح ضبط کی تعلیم دیتی رہی - جیسے کہ مجھکو دیتی ہے تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ شعلہ خس و خاشاک مین اس طرح چھپ جائے گا جیسے خون رگون مین - حاصل یہ ہے کہ تیرا عشق تیرا غم ایک شعلہ ہے اور میرا دل خس سے مشابہ ہے - محض تیری نگاہ گرم کی تعلیم ضبط سے مین اس کو دل مین چھپائے ہوے ہون - نگاہ گرم سے مراد نگاہ عتاب ہے ایک جگہ فرماتے ہین ؎

لیٹنا پرنیان کا شعلہ آتش مین آسان ہے
مگر مشکل ہے حکمت دل مین سوز غم چھپانے کی

ایک جگہ اسی ضبط کے مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

یون تو ضبط کے مضامین غالب کا حصہ ہین مگر قابل غور یہ بات ہے کہ ایک قادر الکلام شاعر کس کس طرح ایک ہی مضمون کو نئے ڈھنگ سے ظاہر کرتا ہے -

**باغ مین مجکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر
ہر گُل تر ایک چشم خونفشان ہو جائیگا**

یعنی میرا حال ایسا زبون ہے اور مین ایسا واجب الرحم ہون کہ اگر تو مجھے باغ مین لیجائیگا تو ہر پھول میرے حال کو دیکھکر روے گا - اس سے یہ بہتر ہے کہ مجکو باغ مین نہ لیجا -

**وائے گر میرا ترا انصاف محشر مین نہو
ابتلک تو یہ توقع ہے کہ وان ہو جائیگا**

اگر میرا تیرا انصاف حشر مین بھی نہو تو بڑا افسوس ہے ابتک تو اس امید پر خوش ہون کہ وہان انصاف ہو جائے گا - ذوق مرحوم ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائین گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدہر جائین گے

یہ وہ شعر ہے کہ مرزا غالب اس کو پڑھ کے سر دھنتے تھے ایک نہایت شوخ مضمون جناب شمس لکھنوی کا ایسے ہی مضمون کا ہے بہت ہی خوب فرمایا ہے ؎

بروز حشر شہیدون کو ہے بڑا دعوے
مزا تو ہے جو نہ ثابت ہو جرم قاتل پر

اس کی سادگی و شوخی حد تحسین سے باہر ہے -

**فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی نادان کی ہے جی کا زیان ہو جائیگا**

اسدؔ تو بھی خود ہوشیار آدمی ہے خیال کر کہ کیا فائدہ ہے جو تو نادان سے دوستی کرتا ہے مشہور مثل ہے کہ نادان کی دوستی جی کا زیان -

**درد منت کش دوا نہوا
مین نہ اچھا ہوا برا نہوا**

میرا نہ اچھا ہونا برا نہین ہے اچھا ہے کہ اگر اچھا ہو جاتا تو میرے درد پر دوا کا احسان ہوتا اور کسی کا احسان میری غیور طبیعت کو پسند نہین ہے - ایک جگہ احسان کے بارکی یون مذمت فرماتے ہین ؎

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
اے خانمان خراب نہ احسان اٹھائیے

ایک جگہ یہ فرماتے ہین ؎

نہ پکڑین دامن الیاس گرداب بلا مین ہم
کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

سعدی فرماتے ہین ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائمردی ہمسایہ در بہشت

**جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو
اک تماشہ ہوا گلا نہ ہوا**

مین تم سے گلا کرتا ہون تو تم رقیبون کو کیون جمع کرتی ہو میرا گلا گلہ نہوا بلکہ ایک تماشہ ہو گیا - اگر چہ قاعدہ ہے کہ چار آدمیون کو جمع کر کے کسی بات کا فیصلہ کیا کرتے ہین مگر

مصنف کا رشک اس بات کی اجازت نہین دیتا۔ رشک کے مضامین غالب کے یہان نہایت ہی عمدہ عمدہ طریقہ سے نظم ہین جن کا جواب نہین ہے مثلاً ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون — ہر اک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدھر کو مین

اپنی گلی مین مجکو نہ کر دفن بعد قتل — میرے پتہ سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — مین اسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

وغیرہ وغیرہ۔ ایک میر کا شعر ہے ؎

کرتے ہین شب وصل وہ دشمن کی برائی — مین کہتا ہون آخر وہ تمہین آہی گیا یاد

ہم کہان قسمت آزمانے جائین — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

ہم اب اپنے مقدر کی کہان آزمایش کرنے جائین جب تو نے ہی ہماری گردن پر اپنے خنجر کو نہ آزمایا یعنی ہماری خوش قسمتی اسی پہ موقوف ہے کہ تو ہمکو قتل کر دے۔

کتنے شیرین ہین تیرے لب کہ رقیب — گالیان کھا کے بے مزا نہ ہوا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرے لب بہت شیرین ہین کہ رقیب کی گستاخیون پر تو نے اسے گالیان بھی دین مگر وہ ان سے بے مزا یعنی ناراض نہوا۔ شیرین۔ اور کھانا۔ مزا وغیرہ مناسب الفاظ ہین جو نہایت خوبی سے جمع ہوگئے ہین۔ اور آورد سے پاک معلوم ہوتے ہین۔ یہان تک الفاظ مناسب کا جمع کرنا حسن شاعری ہے اور اس سے بڑھ کر عیب ہو جاتا ہے اور اس کا ذکر ہی فضول ہے جیسے کوئی صاحب فرماتے ہین ؎

مرغ دل کو توڑے ہے بلی ترے دروازہ کی — زحمت تن کو کاٹے ہے جو ہاتھا رہی ناک کا

لاحول ولا قوۃ۔ نواب مصطفےٰ خان کے یہان ایک شعر اسی مضمون کا ہے جو نہایت بلاغت سے کہا گیا ہے ؎

دشمن پس دشنام بھی ہے طالب بوسہ — محو اثر لذت دشنام نہ ہوگا

یعنی دشمن بعد گالیون کے بھی بوسہ کی تمنا کرتا ہے کیون نہ کرے آخر لذت دشنام کا اس پر کچھ اثر ہوگا یا ہوگا کیونکہ گالیان تیرے شیرین لب سے نکلی ہین اور وہ شیرین ہین اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ چھیڑ کر اور بھی گالیان کھائے یا کمبخت دشمن محو اثر لذت دشنام نہوا۔ وہ بوالہوس ہے

ورنہ تیری گالیان بوسہ سے کچھ کم ہین یا یون سمجھ لیجیے کہ ؎

غصہ مین ترے ہم نے عجب لطف اٹھایا — اب تو عمداً اور بھی تقصیر کرین گے

ہے خبر گرم انکے آنے کی — آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

ان کے آنے کی بڑی گرم خبر ہے مگر آج ہی میری بے سروسامانی رنگ لائی ہے کہ اور دن خیر بوریا تو ہوتا تھا آج بوریا بھی ندارد ہے۔ اگرچہ مضمون رکیک ہے لیکن حسن بیان نے چمکا دیا ہے مطلب یہ کہ سب دن خنگی تیوہار کے دن تنگی۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی — بندگی مین مرا بھلا نہوا

یہ شعر غالب کے مغلق شعرون مین سے ہے جس کی شرح جناب نظم صاحب نے ان دو الفاظ مین فرمائی ہے (وہ) اشارہ ہے غرد حسن کی طرف فقط حالانکہ اس مین قلب ماہیت کا الزام عاید ہوتا ہے کیونکہ حسن مذکر اور خدائی مونث ہے یعنی حسن نمرود کی خدائی تھی۔ مگر مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب مین اس شعر کے معنی یہ لکھے ہین یعنی میری بندگی کیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجکو سوا نقصان کے فائدہ نہ پہونچا۔ میرے نزدیک یہ معنی ہین کہ خدا جس کی مین نے عبادت کی کیا وہ نمرود تھا اور کیا اس کی خدائی نمرود کی خدائی تھی کہ میرا بھلا نہ ہوا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مین نے جان آفرین کو اپنی جان دیدی۔ مگر کیا ہرج ہے یہ اسی کی دی ہوئی تھی میری چیز نہ تھی سچ بات تو یہ ہے کہ مجھ سے کچھ حق ادا نہوا۔

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روا نہوا

اگر ہمارا زخم دب گیا تب بھی لہو بدستور جاری رہا۔ کام اگر رک گیا مراد ہے وہی زخم کے دبنے سے تب بھی میری حاجت روائی نہین ہوئی۔ یعنی لہو نہ تھما۔ تھنبا متروک ہے تھما مستعمل ہے حسرت صاحب نے اس کی یہ شرح فرمائی ہے۔ کام جب رک جاتا ہے تو روا نہین ہوتا۔ اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ لہو بھی روان نہوتا لیکن

یہاں ایسا نہیں ہوا اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔ خیال میرا اور اُن کا قریب قریب یکسان ہے لیکن شرح الفاظ مین فرق ہے۔

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلربا روانہ ہوا

روانہ قافیہ معمولی ہے۔ اسے متقدمین نے عیوب شعر مین شمار کیا تھا۔ لیکن فصحائے متاخرین اُس کو حسن شعر سمجھتے ہین مگر بقول جناب نظم صاحب شعر قافیہ معمولی سے سست ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ انداز رہزنی ہے یا طریق دلستانی ہے کہ معشوق دل لیکر روانہ ہو گیا دیکھئے قافیہ نے شعر کو بالکل بھدا کر دیا ہے۔

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین — آج غالب غزل سرا نہ ہوا

یہ غزل شاید پیش طرح پڑھی گئی ہو۔ اور دوسرے مصرع مین شاید طرح سے مراد ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا — گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اس کو میری تنگدلی کی شکایت ہے یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا کا اضطراب سما گیا۔ مرزا نے تنگدلی کی اکثر شکایت کی ہے۔ ایک آدھ شعر ہم یہان لکھ چکے ہین۔ اور آئندہ لکھیں گے۔ مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر صاحب بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے۔ صفائی وغیرہ وہان بھی نہین ہے مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہون ؎

دل آسودۂ ما شور امکان در نظر دارد — گہر دزدیدہ است ایجاز بان موج دریا را

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اسمین ایک عالم کا شور سمایا ہوا ہے۔ گویا موتی مین دریا بھر کا اضطراب ہے۔

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب — مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

یعنی مین جانتا ہون کہ تو اور میرے خط کا جواب لکھے یہ امر غیر ممکن ہے۔ مگر میری خامہ فرسائی کا ذوق کب مانتا ہے۔ خواہمخواہ لکھنا پڑتا ہے۔ اور رات دن بیٹھا ہوا

خط لکھا کرتا ہون۔ ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون — مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین

ایک شعر میر حسن صاحب مرحوم کا بالکل اسی مضمون کا ہے ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہیں لکھنے کا وہ — پر تقاضہ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

حنائے پائے خزان ہے بہار اگر ہے بھی — دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا

اول تو بہار کا وجود ہی دنیا مین نہین ہے اور اگر ہے بھی تو وہ خزان کے پاؤن کی مہندی ہے یعنی خزان کی زیب و زینت کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ ہستی دنیا عدم کے لیے ہے۔ بوجہ رنگینی کے بہار کو حنا کہا گیا ہے۔ دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ عیش دنیا فانی ہے اور کلفت خاطر دائم او باقی ہے۔ دوسری شرحون مین کہا گیا ہے کہ بہار اگر ہے بھی تو وہ مہندی کی لالی ہے چار دن مین جاتی رہے گی پھر خزاں ہی کا قدم درمیان رہیگا۔ میرا ایک شعر ہے۔ آسی

بہار باغ جہان مین خزان کا عالم ہے — شگفتہ ہونا ہے غنچہ کا ٹوٹنا دل کا

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہین خندہائے بیجا کا

مین فراق کے غم مین مبتلا ہون ہمدمو مجکو سیر باغ کی تکلیف نہ دو مجھے پھولون کی بیجا ہنسی اچھی نہین معلوم ہوتی۔ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے — کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہون — کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا

اگرچہ نظارۂ حسن مین میرا ہر بن مو چشم بینا کا کام کر رہا ہے مگر ابتک حسن کی محرمی حاصل نہین ہے یعنی کنہ ذات تک رسائی نہین ہے۔ ہر بن مو کو چشم بینا اس وجہ سے کہا ہے کہ جب ہر شے آئینۂ ظہور قدرت ہے تو بن مو بھی اسی مین داخل ہے جیسے کہ ایک جگہ حمد کے موقعہ پر علامہ فیضی لکھتے ہین کہ ؎

در ہر بن مو کہ مے نہی گوش — فوارۂ فیض اوست در جوش

دل اُس کو پہلے ہی ناز وادا سے دے بیٹھے ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا

ہم نے اپنا دل پہلے ہی بے مانگے اُس کی ناز وادا کے حوالہ کر دیا ہمیں حسن کے تقاضہ کی برداشت ہی نہیں ہے واضح ہو کہ حُسن اذیرخیز ہے اور ناز وادا دیرخیز ہے مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ادا و ناز حسن کو ہم دل نہ دیتے تو حسن ہم سے دل لینے کا تقاضہ کرتا۔ مگر ہم نے اسے گوارا نہیں کیا اور حسن کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ ناز وادا حسن کا تقاضہ ہے مطلب میرا اور اُن کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدار حسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

اے ہمدم یہ نہ کہہ کہ میں اتنا ہی روتا ہوں جتنی میرے دل میں حسرت ہے۔ اپنے دل کی حسرت اور اپنے آنسوؤں کا مجھے اندازہ ہے یعنی یہ کہ مجھے اور زیادہ رونا چاہئے حسرت کو رونے کی وجہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور وجہ گریہ بھی۔ دریا دل سے استعارہ ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُسکو یاد اسد جفا میں اُسکی ہے انداز کارفرما کا

یعنی جب آسمان کو دیکھتا ہوں تو مجکو وہ یاد آجاتا ہے جس نے اُسے جفائیں سکھائی ہیں اور جو بانی جور و جفا ہے۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

گرفتگی و بستگی و تنگی و ضبط نفس حیرت کے لوازم ہیں اور جب ہر قطرہ میں حیرت کے سبب سے یہ صفات پیدا ہوے تو وہ موتی بن گیا۔ اور پیالہ میں جو لکیر تھی وہ عقد مروارید ہو گئی۔ اس بیان سے فقط حیرت کی شنگرف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن یہ مضمون کہ یہ حیرت حسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوئی مصنف کے ذہن میں

رہ گیا۔ شرح نظم صاحب۔

جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بہ فرط حیرت منجمد ہو گئے اور گوہر بن گئے اور خط جام رشتۂ گوہر کی مانند ہو گیا۔ شرح حسرت صاحب

پہلی شرح میں بالکل بعید از قیاس معنی پہنا کر مصنف کو۔ المضمون فی بطن الشاعر کا الزام دیا ہے اور کئی ایک الفاظ بیکار چھوڑ دیے۔ دوسری شرح میں بھی وہ باتیں ہیں جنکا ثبوت الفاظ شعر سے نہیں ملتا میرا خیال یہ ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے۔ قطرۂ مے کا کام حیران کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرور۔ اور روح پرور ہے خط جام مے کو اُس کی روح پروری نے رشتۂ گوہر بنا دیا ہے۔ اس سے فقط مدح شراب مقصود ہے۔

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

میرے عشق کا جو اس کو اعتبار ہو گیا ہے اُس نے مجکو تباہ کر دیا۔ کیونکہ آہ غیر نے کی مگر چونکہ اُسکو میرے عشق کا اعتبار تھا اُسنے سمجھا کہ میں نے آہ کی ہے اور اسی لیے مجھپر وہ خفا ہوا اور اس طرح سے کوئی کرے اور کوئی بھرے والا مضمون ہو گیا۔

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

جب اُس نے سفر کا ارادہ کیا اور محمل باندھا۔ تو میرا دل نہایت بیقرار ہوا اور محمل کے ہر ذرہ۔ یا عام ذرہ ذرہ پر شوق نے ایک دل باندھ دیا اور محمل کے ساتھ بھیجدیا یعنی ذرات محمل میرے دل طپاں تھے۔ ذرہ کی چمک اور دل کی تپش کا عالم یکساں ہے مطلب یہ ہے کہ اُن کی محمل کے ساتھ ہی دل تپاں بھی رخصت ہوا اور ؎

جو گیا یار جائے گا تو اپنا ہے سفر پہلے

عمل کیا۔

اہل بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخی ناز جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

دیکھنے والوں نے حیرت کدۂ شوخی ناز میں جوہر آئینہ کو طوطی بسمل قرار دیا ہے یعنی آئینہ کے جوہروں کی سبزی جو متحرک معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت بعض رُخ سے دکھائی دیجاتی ہے

وہ گویا طوطی ہے جسے ناز کی شوخی نے بسمل کر دیا ہے اور وہ تڑپ رہی ہے۔ جوہر کی حرکت اور کبھی کسی رخ سے دکھائی دینا کبھی کسی رخ سے دکھائی دینا۔ طوطی بسمل کے ساتھ وجہ شبہ ہے۔ آئینہ کا کام حیران کرنا ہے۔ تو آئینہ کا گھر یعنی پشت آئینہ گویا حیرت کدہ ہے جہاں وہ طوطی بسمل تپاں ہے چمن بیتاب چون طاؤس بسمل میں بھی یہی تشبیہ ہے۔

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا ‖ عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

ہمت کی عاجزی نے سائل کے دل کو ایک طلسم بنا دیا ہے جسمیں امید و بیم لڑ رہی ہیں اور ہر ایک غالب ہونا چاہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ سوال کرنا بہت برا ہے اور یہ کم ہمتوں کا کام ہے جس سے دل طلسم بیم و امید بنجاتا ہے۔ میرا ایک صاف سا شعر ہے اگرچہ اس میں نا دوسرا پہلو ہے۔ آسی ؎

بلائے جان ہوئی سائل کو منت تاثیر ‖ جسے کوئی نہ سنے اس صدا کا کیا کہنا

نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب ‖ گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

میں اپنے تشنگی کے ذوق کے مضمون کو ادا نہیں کر سکا۔ اگرچہ دریا کو بھی ساحل قرار دیدیا یعنی میرے ذوق میں وہ تشنگی ہے کہ اس نے دریا کو بھی ساحل بنا دیا۔ میں یہ بھی کہہ چکا۔ مگر یہ بھی کم ہے اب بھی اپنی تشنگی ذوق و شوق کی حالت کما حقہ بیان نہیں کر سکا۔

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں ‖ گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بڑا افسوس ہے بڑا تعجب ہے کہ میں بزم مے سے یوں پیاسا چلا آؤں تھوڑی دیر کے مان لیجئے کہ میں نے توبہ کر لی تھی اس لیے ساقی سے سوال نہ کیا۔ مگر ساقی نے خود مجھکو کیوں نہ پلا دی۔ اس قسم کے مضمون کے دو شعر شیخ علی حزیں کے یہاں بھی ہیں جو درج ہیں

حد شد از توبہ اگر وا من خشکے دارم ‖ پیش ابر کرم پیر مغاں اینہمہ نیست

ما گر افسردہ ایم صبا را چہ میشود ‖ رہ گم نکردہ بوئے گلے تا دماغ

ہے ایک تیر جسمیں دونوں چھدے پڑے ہیں ‖ وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

مجھے کسی کا ایک شعر یاد آتا ہے۔ اسی کو اسکی شرح سمجھ لیجئے یا معنی یا سرقہ یا نقل۔

ب ہیں اک تیر میں سفتہ جگر و دل دونوں ‖ گئے وہ دن کہ تھا بیمار سے بیمار جدا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں ‖ جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

یعنی عاجزی اور درماندگی میں اگر کوئی تدبیر ہو سکے تو جب جانوں ورنہ جب ضرورت تھی تو سب تدبیریں خیال میں آتی تھیں مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اچھے ہوشیار بیوقوف اتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے ؎

ب آنکھ تھی بند دیکھتے تھے سب کچھ ‖ جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا ‖ بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا گھر رونے سے ویران ہو گیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ گھر جہاں اب ہے اگر دریا نہ ہوتا تو ویران ہوتا۔ غرضکہ ہر حالت میں ویران ضرور رہتا۔ ایک جگہ کہتے ہیں

ب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے ‖ خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

ل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے ‖ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

میں تنگی دل کی کیا شکایت کروں۔ اگر میرا دل تنگ نہ ہوتا۔ تو اس کی شگفتگی اور وا شدگی انی کے درجہ پر پہونچ جاتی۔ یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے جیسا پہلا شعر ہے کہ۔

ں کو الغرض ہے مصیبت ہی ہر طرح ‖ ہو وہ سبک جو تیری نظر میں گراں نہ ہو

عمر ورع بار تو دیتا بارے ‖ کاش رضواں ہی در یار کا درباں ہوتا

س سے در یار کی دربان کی سنگدلی کا اظہار مقصود ہے کہتا ہے کہ وہ ایسا سنگدل عمر ہم عشق یار میں مبتلا رہے۔ مگر وہ ہم کو اس کے گھر میں جانے کی اجازت نہیں ش بجائے اس کے رضواں اس گھر کا دربان ہوتا کہ عمر بھر عبادت کرتے تو اس ن ہمیں داخل تو ہونے دیتا۔ مگر یہاں تو ہنوز روز اول کا مضمون ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۔ ڈبویا مجکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ شعر مذاق تصوف میں کہا گیا ہے یعنی صوفیہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ سب اُس سے یا اُسمیں سے ہیں تو اس میں سے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ لاتیجزی ہے بلکہ سب اُس سے ہیں۔ اور وہ سب سے پہلے بھی تھا اور بعد کو بھی رہے گا۔ کیونکہ صنعت سے صانع کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صنعت کے نہونے سے صانع کی ہستی میں فرق نہیں آسکتا وہ بدستور رہیگی ۔ اس لیے مصنف کہتا ہے کہ جب کوئی مخلوق نہ تھی تب بھی خالق موجود تھا ۔ اور اگر کچھ نہوتا تب بھی خالق ہوتا ۔ کیونکہ لاشے سے شے ہو نہیں سکتی پہلے نہ تھا تو بعد کو کہاں سے آیا ۔ مگر مجکو میری ہستی نے ڈبو دیا اور کھو دیا ۔ یعنی عین ذات یا اپنے مبدا سے علیحدہ کر دیا ۔ کاش میں نہوتا ۔ تو کیا بگڑ جاتا ۔ صرف اس ہستی نے مجھے جدا کر دیا ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

ما ہما عین خودیم اما خود از وہم دوئی ۔ درمیاں ما و غالب ما و غالب حایل است

حکیم ہمام کہتے ہیں کہ فنا کے بعد پھر اپنے مبدا سے مل جائینگے فرماتے ہیں ؎

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام ۔ آنہم امید کہ روزے زمیاں برخیزد

ہوا جب غم سے یوں بیحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا ۔ نہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

جب غم نے اس کو بیحس کر دیا تھا تو اب میرا سر جو کٹ گیا ہے اُس کے کٹنے کا کیا غم ہو نہ کٹتا تو وہی بدستور زانو پر رکھا ہوتا ۔

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے ۔ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

غالب کو مرے ہوئے مدت ہو گئی مگر اب بھی اس کی بحث و تحقیر کی عادت یاد آتی

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۔ یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

باغ کا ایک ذرہ زمین بھی بیکار نہیں ہے یہاں تک کہ یہاں جادہ بھی چراغ لالہ کی بتی ہے داغ کو چراغ کے ساتھ اکثر استعارہ کرتے ہیں ۔ اس صورت میں یہ مفہوم

پیدا ہوتا ہے کہ روشوں کی پٹریوں نے باغ کی رونق کو اور چار چاند لگا رکھے ہیں یعنی جادہ باعث فروغ چراغ لالہ ہے اگر داغ کو چراغ نہ مانا جائے اور داغ بھی مانا جائے تو فتیلہ سے مراد وہ بتی ہوگی جو زخم میں رکھتے ہیں تیسرے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کثرت نشو و نمائے لالہ اسقدر ہے کہ جادہ رگ گل لالہ بن گیا یعنی وہ بالکل پھولوں میں چھپ گیا ہے ۔

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل ۔ کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

بلبل کے حال پر پھول ہنس رہے ہیں کیونکہ عشق کو اطبا نے خلل دماغ کہا ہے یا یہ کہ عشق کی کسی کی نظروں میں وقعت نہیں ہے ؎

کون سنتا ہے زمانہ میں کسی کا درد دکھ ۔ نالۂ بلبل پہ گل بھی خندہ زن ثابت ہوا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے ۔ تریاکی قدیم ہوں دود چراغ کا

کچھ نشۂ فکر سخن سے میں ابھی سرشار نہیں ہوا ہوں بلکہ ہمیشہ چراغ کے دھوئیں کی افیون کھاتا رہا ہوں یعنی میں نے ہمیشہ راتوں کو فکر سخن میں صرف کیا ہے ؎

دود چراغ خوردہ شب اور وہ ام بروز ۔ معذورم ار نماندہ دماغ مرا تری

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے ۔ پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

یہ نہیں ہے کہ ہم قید عشق سے کبھی آزاد ہی نہیں ہوئے مگر ہمارا دل ہی فراغت کا دشمن ہے وہ آپ گرفتار ہوتا ہے اور اس کو گرفتاری کا شوق ہے پھر ایسی حالت میں کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم ۔ آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی ۔ کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

بے شراب کے آشوب ہوشیاری کے برداشت کرنے کی کسے طاقت ہے اسی لیے میرے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کھینچکر صفحۂ دل پر سے اُسے کاٹ دیا خط کھینچ دینے کے بجائے خط ایاغ کھینچ دینا ایک لطیف معنی رکھتا ہے یعنی اُس کے مقابلہ پر اس کو ترجیح دی اور جس چیز

کی وجہ سے ترجیح دی اسی کے خطرے آشوب آگہی کو رد اور باطل کیا یعنی ہوشیاری کے مقابلہ پر میں نے بیہوشی کو اچھا سمجھا دنیا میں بے عقل اور بیہوش بنکر رہنے کو شعرا اچھا جانتے ہیں۔ خود غالب فرماتے ہیں کہ ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

حالی فرماتے ہیں ؎

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

دیوانہ باش تا غم تو دیگران خورند

بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

نشہ بھی آنکھوں میں ہوتا ہے نظر بھی آنکھ میں ہوتی ہے مصنف کہتا ہے کہ خون دل کے بغیر مجھے اپنی موج نگاہ یعنی نظر غبار معلوم ہوتی ہے جو باعث تکلیف ہے۔ خون دل کو شراب سمجھا ہے اور آنکھ کو میکدہ قرار دیا ہے یعنی یہ میکدہ تلاش شراب میں خراب ہو رہا ہے۔ مے وہی خون دل ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ بغیر مے کے اس میکدہ میں خاک اُڑ رہی ہے۔

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل
ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل ہے تو ابر بہار کس کے دماغ کے لئے خمکدہ ہے وہ بھی تیرے ہی لیے ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ میرے سرور دل کا مایہ بساط جو کچھ ہے وہ تیرے حسن کا ہرا بھرا شگفتہ باغ ہے۔ ابر بہار سے مستی کا دماغ میرے دماغ کو نہیں ہے۔

وہ مری چین جبیں سے غم پنہاں سمجھا
راز مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا

میری چین جبین سے اُس نے میرے غم نہاں کو معلوم کر لیا اور خط کے مضمون کو عنوان کی خرابی سے سمجھ گیا۔ چین جبین کی تشبیہ عنوان سے نہایت بدیع

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

جب سے کہ میں نے اپنے آئینہ (یعنی دل کو) گریبان سمجھا ہے اسی وقت سے اسکے چاک کرنے میں مصروف ہوں۔ گویا جبھی سے اس آئینہ پر صیقل کر رہا ہوں مگر اب تک یہ پورے طریقہ سے صاف نہیں ہوا۔ یا یہ گریبان اتنا پھٹا ہے کہ ایک الف کا نشان بن گیا ہے آزاد قلندر منش لوگ اپنے سینہ پر ایک الف کا نشان کھینچ لیا کرتے ہیں یعنی صفائی دل خاطر خواہ حاصل نہیں ہوئی۔ بیش نہیں فارسی کی زبان ہے۔ اُردو میں آنا کچھ اچھا نہیں ہے غالب نے ایک جگہ اور انہیں الفاظ کا دوسرے مضمون میں اعادہ کیا ہے فرماتے ہیں ؎

ای نگاہت الف صیقل آئینہ ما
دور کن نقش دوئی از ورق سینہ ما

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

میری گرفتگی دل کی شرح نہ پوچھ۔ مختصر یہ ہے کہ میرا دل غموں سے اس قدر تنگ ہو گیا کہ میں اپنے دل کو قید خانہ سمجھتا ہوں۔ اور قید خانہ بھی ایسا تنگ قید خانہ کہ جس کی شرح (جس کے معنی کھلنے کے ہیں) بھی نہیں ہو سکتی۔ یا لفظ شرح کی بھی اس میں گنجایش نہیں۔ اور یہ سب علایق دنیوی کے سبب سے ایسا ہوا۔ مرزا یاس عظیم آبادی نے جو غالب کے طرز بیان اور وقت پسندی کے سخت ترین مخالف ہیں۔ اور جنھوں نے مرزا کی زبان کو دیوزاد کی زبان کہا ہے اپنی صاف زبان میں یوں اس کی شرح کی ہے ؎

زندگی کشمکش رنج و محن میں گذری
چار دیوار عناصر کو میں زنداں سمجھا

حالانکہ مرزا غالب کے یہاں زنداں سمجھنے کے مناسب الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً گرفتاری تنگی وغیرہ۔ مگر یہاں یہ کچھ نہیں ہے صرف چار دیوار ہے جس سے زنداں کے ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے مگر ہم اس بات کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ غالب کے الفاظ و خیال کو خوب بدل دیا ہے۔

بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

میری بدگمانی نے اس کا چلنا پھرنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ چلتے وقت جو اُس کے رُخ پر

38

...بنہ آیا تو پسینہ کے قطروں کو میں نے رقیب کی حیران آنکھیں سمجھیں یعنی میں سمجھا کہ وہ اسکو ...رہا ہے۔ قطرۂ عرق میں فک اضافت ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میرا معشوق اتنا ...ان ہے کہ سرگرم خرام بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ چلتے وقت جو شرم۔ یا حرکت سے اس کو پسینہ ...ہی اس پسینہ کے قطرہ قطرہ کو وہ دیدۂ حیران عاشق جانتا ہے۔

...سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہو گا نبض خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا

...میں نے اپنے عجز ہمت سے یہ سمجھ لیا کہ وہ بدمزاج ہے۔ گویا تنکے کی نبض دیکھی اور شعلہ ...حال معلوم کر لیا یعنی ہمت خود کرنے کی کچھ نہیں تھی اور الزام اس کو دیا۔ نبض خس سے ...عجز ہمت اور شعلہ سوزاں سے اس کی بدخوئی کا استعارہ کیا ہے۔

...عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی ہر قدم سایہ کو میں اپنا شبستاں سمجھا

عشق کے سفر میں میرے ضعف نے راحت طلبی کا پہلو اختیار کیا اور ہر قدم سایہ ...میں نے سمجھا کہ یہی میرا گھر ہے۔ اور یہی میری منزل ہے اور اس صورت میں مجھے قدم ...پر ٹھہرنا پڑا۔ قاعدہ ہے کہ راہ میں جب مسافر تھک جاتا ہے تو اس کو آرام کی تلاش ...نی ہے۔ ایک شعر اسی مضمون کا غالباً مرزا داغ مرحوم نے فرمایا ہے ؎
...ے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

...ا گریزاں مژہ یار سے دل تا دم مرگ دفع پیکان قضا اسقدر آساں سمجھا

میرا دل مرتے وقت تک اس کے مژہ سے گریز کرتا رہا۔ حالانکہ مژۂ یار پیکان قضا ...جس کا روکنا اور دفع کرنا غیر ممکن تھا۔ مگر اس بے وقوف نے اس کا دفع کرنا ایسا ...ان سمجھا اور آخر نہ بچ سکا۔ یہ تا دم مرگ سے پتہ چلتا ہے۔

...دیا جان کو کیوں اسکو وفادار اسدؔ غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

اس کو وفادار سمجھ کر دل اس کو کیوں دیا۔ اسدؔ یہ تمھاری بھی غلطی ہے کہ تم نے ایک ...ر کو مسلمان سمجھا۔ میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظم صاحب نے علاوہ گزشتہ

بہت سے شعروں کے اس شعر میں بھی جان اور دل کے لفظ سے مرزا مرحوم پر ضلع جگت کا الزام لگایا ہے میں کہتا ہوں کیا ایسے ہی مناسب الفاظ کہ جن کی نشست اس خوبی سے واقع ہوئی ضلع جگت سمجھے جاتے ہیں۔ یوں کافر اور مسلمان کا لفظ بھی اس میں موجود ہے۔ اگر ایسا ہی خیال کیا جائے تو شاید کوئی صاف سے صاف شعر بھی اس سے خالی نہو گا ؎
کشتۂ دل خویشم کہ از ستمگراں یک سر دیدہ دلفریبہا الفت مہربانیہا
اس میں ایک لفظ حشو قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا دل جگر تشنۂ فریاد آیا

میرے دل اور جگر کو پھر فریاد کی تشنگی پیدا ہوئی اور اس تقریب سے پھر دیدۂ تر یاد آ گیا کہ یہ تشنگی رونے ہی سے بجھی گی۔ آیا دوسرے مصرعہ کا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہے۔ اُردو میں ہوا اس کے بجائے بولیں گے۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سفر یاد آیا

ہنوز قیامت یعنی میرے اضطراب کو تسکین نہیں ہوئی تھی کہ تیرا وقت سفر یاد آ گیا اور قیامت میں قیامت برپا ہو گئی۔ داغ ؎
ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

سادگی ہائے تمنا یعنی پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

میری آرزوئیں کتنی سادی ہیں کہ اسی نیرنگ نظر کو جس نے مجھے تباہ کر دیا یاد کرتی ہیں میر کا شعر ہے ؎
ہمیں تو دیکھئے جس نے کیا ہے ہم کو تباہ تباہ ہو کے بھی ہم اس نظر کو دیکھتے ہیں
دوسرے معنی نیرنگ سے یہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیرنگ جادو۔ اور افسوں وغیرہ کو کہتے ہیں تو اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میری سادہ تمنائیں خیال کرتی ہیں کہ شاید وہ نیرنگ نظر ہمارا بگڑا کام بنا دے گا۔ اُن کی سادہ لوحی اس سے ظاہر ہے کہ انکو اس نیرنگ کا علم بھی ہے مگر پھر بھی یہی خواہش بیجا ہے۔

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل   نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

اے حسرت دل تیرے تقاضہ پر چاہتا تھا کہ نالہ کروں مگر مجھے اس وقت اپنا جگر
ستہ یاد آگیا۔ اس لیے میں نے فریاد نہ کی پہلے مصرعہ میں قبول کر۔ اور دوسرے مصرعہ
ن کہ محذوف ہے۔

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی   کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

ہماری زندگی یوں بھی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی رہے تیرا راہ گذر فضول یاد آیا کہ اسکو
دکر کے میں مر گیا مرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب ہم اس رہ گذر پر گذر نہیں سکتے اور کبھی رات دن
س رستہ کو روندا کرتے تھے حسرت صاحب یہ شرح لکھتے ہیں کہ جب کامگاری ممکن ہی
نہیں ہے تو تیرا رہگذر بیکار ہی یاد آتا ہے یعنی جب وہاں بھی بحالت ناکامی بسر ہو گی تو
س کا یاد آنا عبث ہے یوں بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی۔
نظم صاحب فرماتے ہیں تیرا راہگذر یاد آنے سے میری زندگی گذر گئی اور یہ بات اچھی
دی کہ میں زندگی سے بیزار تھا لیکن اس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ و قلق ہوا کہ کاش کہ
یاد آیا ہوتا تو زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی۔
ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہم کو زندگی بار تھی اور تیرا راہگذر یاد آیا جہاں جا کر ہمارا
رجانا مسلم ہے یوں بھی کسی نہ کسی طرح مر ہی جاتے جب مرنا کسی نہ کسی صورت ضرور ہے تو
ہاں اور وہاں برابر ہے اس کا یاد آنا عبث ہے ؎
فا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا   تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی   گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

داروغہ بہشت رضوان سے میری لڑائی ہوگی اور بڑی لڑائی ہو گی اگر تیرا گھر مجھکو
ہشت میں یاد آیا۔ کیونکہ میں بہشت پر تیرے گھر کو ترجیح دیتا ہوں۔ یا یہ کہ میں بمقابلہ
شت کے تیرے گھر کو ترجیح دوں گا۔ اور وہ مجھ پر خفا ہو گا۔ یا رضوان بہشت میں جب
را گھر نہ دے سکیگا تو میں لڑوں گا۔ دو شعر اور اسی قبیل کے مرزا نے فرمائے ہیں ؎

کرتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست   لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

آہ وہ جرأت فریاد کہاں   دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

دل میں جو پہلے فریاد کی جرأت تھی وہ اب کہاں ہے۔ اسی لیے میں دل سے تنگ ہو گیا
اور اب اپنا جگر یاد آتا ہے جس میں فریاد کی طاقت زیادہ تھی۔

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال   دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

میرا خیال پھر تیری گلی میں چلا ہے شاید دل گم گشتہ کے ڈھونڈھنے کو جاتا ہے اور
اس کا گم ہونا اور وہاں کسی جگہ رہ جانا اس کو یاد آتا ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جس جنگل میں وحشت میں میں جا نکلا ہوں وہ بہت ہی ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر
اپنا گھر یاد آ رہا ہے کہ وہ بھی ویرانی میں اس سے مشابہ ہے یا یہ کہ اس جنگل کی ویرانی دیکھکر
جی چاہتا ہے کہ گھر لوٹ چلیں۔
مومن مرحوم کہتے ہیں کہ ؎
جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں   کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ   سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یعنی ہم وہ آشفتہ سر تھے کہ کبھی اپنے سر پا کا ہوش نہیں رہا اور یہ حالت کچھ آج
نہیں بلکہ بچپن میں بھی ایسے ہی تھے انتہا یہ ہے کہ شوخی سے ہم نے مجنوں کے سر میں
مارنے کو جب پتھر اٹھایا ہے تب اپنا سر یاد آیا اور پھر وہ پتھر اپنے ہی سر میں مار لیا۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا   آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

اس شعر میں وہ جامع الفاظ ہیں جن سے اس قدر عبارت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ یعنے معشوق کچھ دیر میں عاشق کے پاس پہونچا ہے اور عاشق اس سے دیر میں آنے کی شکایت کرتا ہے اور معشوق کہتا ہے کہ ہان تاخیر ہوئی جس کے جواب میں عاشق پھر کہتا ہے کہ تاخیر ہوئی تو کچھ تاخیر کا سبب بھی تھا یا بلا وجہ تاخیر ہوئی۔ پھر وہ جواب دیتا ہے کہ ہم آرہے تھے اسپر عاشق پھر کہتا ہے کہ آتو رہے تھے مگر اس تاخیر سے جو باوجود عزم مصمم کے آپ کے آنے مین ہوئی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آپ کو روک بھی رہا تھا اور روکنے والا سوا اس کے جس سے آپ کی بے تکلفی ہو کوئی نہین ہو سکتا ؎ سراج لکھنوی

مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کر تاخیر کی

تمسے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ — اسمیں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

صرف تم ہی میری تباہی کے باعث نہیں ہو بلکہ اس مین میری تقدیر بھی شامل ہے گویا ؎ غالب۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین — تیرے سوا بھی ہمپہ بہت سے ستم ہوے

یہ شعر بہت اچھا ہے اس مین حد عشق اور ادب حسن کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں — کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

مصنف نے عجب انداز سے اپنی یاد دلائی ہے کہتا ہے کہ مین وہ ہون جسے کبھی شکار کر کے تو نے اپنی فتراک مین باندھا تھا۔ ایک میرا شعر ہے ؎

یاد کرا دیں وہ ہون جسے بھولا ہے تو — اب تو پہچان کے اے وعدہ فراموش مجھے

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد — ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

اس شعر پر مرزا یاس نے ایک مرتبہ ان الفاظ سے اعتراض کیا تھا اک رنج گرانباری تھا مگر کچھ اک رنج کے کیا معنی کچھ بھی اور اک بھی یہی استادی اور قادر الکلامی ہے اس کا جواب یون دیا گیا ہے کہ یہان لفظ کچھ اور ایک پر اعتراض ہے کہ دونون ایک ہی معنی

بتا رہے ہین اور اس طرح یکجائی استعمال مین کوئی ایک ضرور حشو ہوگا لیکن اگر عالیجاہ کو شعر کا مطلب سمجھنے اور باریکیون پر خیال کرنے کی عادت ہوتی تو یہ اعتراض نہ سوجھتا شاعر کہتا ہے قید کی حالت مین تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہے اور ہان اک گرانباری زنجیر کا اور بھی رنج تھا مگر زیادہ نہین کچھ یونہی سا اب دیکھئے تو دونون لفظ ہم معنی نہین رہے اور شعر مین ایک خوبی پیدا ہوگئی جو بلا اجتماع کے ممکن نہین تھی۔ از گلدستہ خیال فروری ۱۶ء

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا — بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یہ کیا کہ آپ جلوہ دکھا کر آنکھوں کے آگے سے اوجھل ہوگئے مین صرف دیدار ہی کا مشتاق نہ تھا بلکہ میرے لب تقریر کے بھی تشنہ تھے لہذا چاہئے تھا کہ آپ کچھ بات بھی کرتے اس ایک جھلک دکھانے سے تو صرف ایک بجلی سی آنکھون کے آگے کوند گئی جسنے اور آنکھون کو خیرہ کر دیا اور کچھ نتیجہ نہوا۔

یوسف اسکو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی — گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

اس کا حسن یوسف کے حسن سے زیادہ ہے۔ مین اس کو یوسف کہوں اور وہ کچھ نہ کہے بس یہ سمجھو کہ یہ خیریت ہوئی۔ ورنہ اگر اس بات پر وہ خفا ہو جاے تو بجا ہے اور مجکو سزا دے تو درست ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے کہ مجھے غلام بنایا۔ تو اسپر اس کا غصہ درست ہے میرا شعر ہے ؎

وہ یون ہی اک تو اے دل نام سے یوسف کے چڑھتے ہین
اور اک تم ہو کہ یوسف کہہ کے ثانی اور کہتے ہو

دیکھکر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا — نالہ کرتا تھا و لے طالب تاثیر بھی تھا

غیر کو دیکھ کر میرا دل کیون نہ ٹھنڈا ہو کہ مین نے اس کو روتے دیکھا اور ساتھ ہی اپنے دعا کے اثر کا طالب تھا۔ تو اس سے میرا جی خوش ہوا کہ اس کی نالہ و آہ بھی بے اثر ہے اور تو اس سے بھی ناراض ہے ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی — گو مشتِ خاکِ ماہم برباد رفتہ باشد

پیشہ میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کو نام   ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

جاہلانہ مثل مشہور ہے کہ پیشہ حبیب اللہ اسی بارہ میں مصنف کہتا ہے کہ فرہاد کا پیشہ کوہکنی وغیرہ تھا۔ اور عاشقوں میں کوئی پیشہ ہونا اک عیب ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ فرہاد کے لئے پیشہ کوئی عیب نہیں تھا کیونکہ کوہکنی جو اس کا پیشہ تھا وہ محض معشوق کے انقیاد اور فرمانبرداری کے لئے تھا ورنہ وہ بھی ایک ہم ہی جیسا آشفتہ سر تھا۔ اگرچہ بجائے ہم ہی کے ہمیں لکھنا صحیح ہے مگر اس جگہ ہم ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جوانمیر وہ جو جوان مرجائے۔

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی   آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

ہم مرنے کو کھڑے ہی تھے یار تلوار لیکر ہمارے پاس نہیں آیا تھا نہ سہی آخر اس کے پاس کوئی تیر تو تھا دور ہی سے کھینچ کر مارتا اور ہمارا کام تمام کر دیتا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق   آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

محض ظرافت کی راہ سے یہ شعر لکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ جو کراماً کاتبین نے لکھ دیا بس وہ پتھر کی لکیر ہو گئی آخر جب انھوں نے لکھا تو اس وقت کوئی ہمارا آدمی بھی تھا۔ کیونکہ ہر معاملہ فریقین کے سامنے طے ہوتا ہے اور جب ہی کوئی دستاویز وغیرہ لکھی جاتی ہے۔

ریختی کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب   کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

ریختی۔ ریختہ اردو کی شاعری کو کہتے ہیں یعنی غالب اردو کی شاعری کے کچھ تنہا تم ہی استاد نہیں ہو پہلے زمانہ میں کوئی استاد میر بھی تھا۔ میر سے میر تقی مراد ہیں۔ ایک جگہ اور بھی کہتے ہیں ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ   آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

لب خشک در تشنگی مردگاں کا   زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

میں اُن لوگوں کا جو پیاس میں مرگئے ہیں لب خشک ہوں اور میں وہ محروم رنجیدہ

دل ہوں کہ دل آزردوں کا زیارت گاہ ہوں۔

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی   میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

میں اُن لوگوں کا دل ہوں جنھوں نے وفا کا فریب کھایا ہے اور آخر میں اُن کے ارمان مایوسیوں سے بدلے ہیں اسی طرح میں بھی سراسر بدگمانی اور یاس بنا ہوا ہوں اور گویا انھیں کا دل ہوں ؎

سر بسر یاس ہوں میں اور ہمہ حرماں ہوں میں   شاید اپنے دل مایوس کا ارماں ہوں میں

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہوا تھا   اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہوا تھا

اے ستمگر تو کسی کا بھی دوست نہوا تھا اوروں (یعنی غیروں) پہ تو نے وہ ظلم کئے ہیں جو مجھ پر بھی نہیں کیے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ میں مطمئن تھا کہ تو اوروں پہ ظلم نہیں کرتا اور یہ ظلم سب میرے ہی لیے ہیں مگر یہ خیال بھی غلط نکلا۔ بہت سے نئے ظلم۔ یا بڑے ظلم تو نے مجھ پر نہیں کیے اور غیروں پر کیے اور مجھے محروم رکھا۔ اسی بنا پر یہ شکایت کی گئی ہے۔ جیسے کہ داغ مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کھانے کے لئے   وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے

مرزا یاس نے اعتراض کیا ہے کہ اس شعر کی ردیف بیکار ہے اور اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ بھی کی جگہ ہے اکثر نسخوں میں دیکھا گیا ہے اس صورت میں ردیف بیکار نہیں رہتی مگر ہمارے نزدیک ہے صحیح نہیں ہے بھی صحیح ہے اور ردیف بیکار نہیں ہے کیونکہ شاعر کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ راز مجھ پر اب کھلا ہے کہ پہلے میں تجھے سمجھا ہوا تھا کہ تو اوروں کا دوست ہے مگر نہیں تو کبھی کسیکا بھی دوست نہیں ہوا تھا۔

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے   خورشید ہنوز اسکے برابر نہوا تھا

ماہ نخشب ایک چاند تھا جسے حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقنع نے سیماب وغیرہ سے بنایا تھا یہ چاند ایک کنوئیں سے نکلا کرتا تھا اور اس کی روشنی چار فرسنگ تک ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ اصلی چاند کے مقابلہ میں بالکل ماند تھا۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے کہ

خورشید ہنوز میرے مہرِ انور میرے معشوق کے حسن وجمال کے برابر نہین ہوا تھا اور اُسکے مقابلہ مین اُس مین ابھی روشنی پیدا نہوئی تھی کہ دستِ قدرت نے اس کو ناقص چھوڑ دیا

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہوا تھا

جس کی جتنی ہمت ہے اتنی ہی توفیقِ الٰہی اسکی مدد کرتی ہے دیکھ لیجئے کہ جو قطرہ گوہر بننے کو پسند نہین کرتا وہ آنکھون مین رہتا ہے۔ ورنہ اگر موتی ہوتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کانون تک یا تاجِ شاہی تک پہونچتا ہے۔

میں سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہون — یعنی سبقِ شوق مکرر نہوا تھا

مین بیوقوف یار کی رنجیدگی سے خوش ہون کہ میرا عشق مکرر نہوا تھا یعنی لڑائی ہوکر صلح نہین ہوئی اور وہ وحشتین اور وہ محبتین نئے سر سے تازہ نہین ہوئین اور یہ بھی میری سادگی ہے کہ رنجیدگی ہی سے خوش ہون۔ داغ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہوجائے جنگ ہوکر

جبتک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم — مین معتقدِ فتنۂ محشر نہوا تھا

قیامت کو قامت سے اکثر تشبیہ دیتے ہیں اور یہ مضمون پامال ہے کہتا ہے کہ جبتک قدِ یار مین نے نہ دیکھا تھا اُس وقت تک مجھے قیامت کا اعتقاد نہین ہوا تھا۔ ایک جگہ یون فرمایا ہے ؎

ترے سروِ قامت سے اِک قدِ آدم — قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہین

امیر اور داغ مرحوم کے مشہور مطلع انھین مضامین مین کہہ گئے ہیں۔

امیر
سایہ مین اک بلند قامت کے
فتنہ سب سو گئے قیامت کے

داغ
عشق مین اِک بلند قامت کے — ہم گلے پڑ گئے قیامت کے

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

اس مین اپنے کثرتِ معاصی کا اظہار مقصود ہے کہ گناہ کا دریا خشک ہوگیا اور میرے دامن کا ایک کونا بھی نہ بھیگا تھا یعنی جتنی معاصی تھے اُن سب کا ارتکاب مین کرچکا اور ابھی میرے دل کی ایک ذرا سی بھی حسرت نہین نکلی۔ آزاد مرحوم لکھتے ہین کہ اُستاد ذوق مرحوم شعرِ مذکور بہت پسند کرتے تھے۔

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مری تحصیل — آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہوا تھا

جیسی کہ داغِ جگر سے میری تحصیل جاری ہے یعنی اُس کی بدولت گرم نالہ و آہ کرتا ہون اسی طرح آتشکدہ سے بھی سمندر کو فائدہ نہوا تھا۔ یا جب سے آتشکدہ داغ سے میری تحصیل جاری ہے کہ آتشکدہ مین سمندر کا وجود بھی نہوا تھا ؎

فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہون اُس زمانہ سے — کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستان پر

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا — رشتہ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

وہ موصوف۔ خلوت فروز کسوت ناموس صفت۔ رات کہ وہ خلوت فروزِ مجلسِ ناموس محفل مین تھا تو فانوس کے لئے شمع کا ہر ایک رشتہ خارِ لباس بنا ہوا تھا یعنی شمع سے اس کو تکلیف ہورہی تھی اور وہ شرمندہ تھا۔

مشہدِ عاشق سے کوسون تک جو اُگتی ہے حنا — کسقدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

جس جگہ عاشق شہید ہوا تھا۔ وہان کوسون تک جو مہندی اُگتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے دل مین تیرے قدم چومنے کی حسرت تھی اور بہت حسرت تھی جو مرنے کے بعد بھی نہین گئی اور اس کی خاک سے حنا اُگتی ہے کہ شاید اسی بہانے پابوسی نصیب ہو یہ مضمون مختلف طریقون سے باندھا گیا ہے شاید آتش مرحوم کا شعر ہے۔

بجائے سبزہ کنگھی اُگ رہی ہے میرے مدفن پر

یا خود غالب مرحوم ایک جگہ فارسی مین فرماتے ہین ؎

لالہ و گل دمد از طرفِ مزارش پس مرگ — تا چہا در دلِ غالب ہوسِ روئے تو بود

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو — دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

محبت کا حاصل سوائے آرزوؤن کے خون ہونے کے ہم نے کچھ نہین دیکھا۔ دو ٹکڑے ہوئے دل گویا لب افسوس تھے یہ تشبیہ بدیع ہے جس کا اُردو کے شاعرون کے یہان ملنا دشوار ہے۔

کیا کہون بیماری غم کی فراغت کا بیان جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

مین بیماری غم کی فراغت کا کیا بیان کرون اُس نے مجھے بہت سے جھگڑون سے آزاد کر دیا کیونکہ غذا جب ہضم ہوتی ہے تو اس کو کیلوس کہتے ہین پھر جو اُس سے خلاصہ حاصل ہوتا ہی وہ جگر مین ہضم ہوتا ہے اُس کو کیموس کہتے ہین مگر خون کھانے مین کبھی کیلوس اور کیموس کا جھگڑا پیش نہین آتا۔ ہمیشہ خون دل کھاتا ہون اور وہ ہضم ہو جاتا ہے۔ کیا کرون کی جگہ کیا کہون لکھا گیا ہے اس مین شاید مصنف نے کچھ مصلحت رکھی ہو ورنہ اردو کا محاورہ بیان کرنا ہے نہ کہ بیان کہنا۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

آپ ہم کو طعنے دیکر کہتے تھے کہ ہم تو کسی پر عاشق نہو جائین ہمین تو کسی کا حسن فریفتہ نکرلے مگر یہ باتین جبھی تک تھین جب تک آئینہ نہ دیکھا تھا اب جو آئینہ دیکھا اور اُس مین اپنا حسن لاثانی نظر آیا تو اپنا سا منہ لیکر رہ گئے اور عاشق ہونا ہی پڑا۔ اسمین معشوق کے حسن کا کمال ظاہر کیا ہی وہ ایسا حسین ہے کہ آپ بھی اپنے پر عاشق ہو گیا۔

قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے اُسکی خطا نہین ہی یہ میرا قصور تھا

اس سے یہ دونون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ غریب قاصد کو میرا پیغام پہونچانے پر آپ کیون قتل کرتے ہین یہ اُس نے از خود نہ پہونچایا تھا بلکہ ساری میری خطا تھی کہ مین نے اُسکو بھیجا تھا مجھی کو قتل کیجیے۔ دوسرے یہ کہ عاشق بوجہ رشک کے یہ نہین دیکھ سکتا کہ معشوق اپنے ہاتھ سے کسی اور کو قتل بھی کرے اس لیے وہ اُس کو جتا رہا ہے کہ میری خطا ہی اُس کی خطا نہین مجھی کو قتل کیجیے یا دوسرے کا قصور بھی اپنے سر رکھے لیتا ہے گردن زدن فارسی کا محاورہ ہی اور گردن مارنا اُس کا ترجمہ ہے اور یہی اُردو کا بھی محاورہ ہو گیا ہے

اگر اس جگہ یہ کہدیا جاے کہ گردن نہ کاٹئے تو کیسا بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے فارسی کے محاورات ترجمہ ہوکر بجنسہ اُردو کے محاورے ہوگئے ہین۔

عرض نیاز عشق کے قابل نہین رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

عرض ظاہر کرنا۔ نیاز عاجزی یعنی مین اس قابل نہین رہا کہ عشق کے عجز و نیاز کو ظاہر کرسکون کیونکہ یہ سب کچھ دل کی بدولت تھا کہ دل عشق کا مسکن تھا مگر وہ عشق کے صدمے اٹھاتے اٹھاتے مٹ گیا اور اس طرح میری مایۂ ناز چیز میرے ہاتھ سے جاتی رہی اسی زمین مین میرا مطلع ہے۔

روتا ہون یون کہ شوق بھرا دل نہین رہا یعنی مین تیرے ظلم کے قابل نہین رہا

مومن مرحوم نے بھی بہ تبدیل قافیہ اس زمین مین مطلع خوب کہا ہی ؎

دل قابل محبت جانان نہین رہا وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیان نہین رہا

جاتا ہون داغ حسرت ہستی لیے ہوے ہون شمع کشتہ درخور محفل نہین رہا

مین حسرت ہستی کا ایک داغ اپنے ساتھ لیے جاتا ہون گویا مین ایک بجھی ہوئی شمع ہون جو محفل کے قابل نہین ہی۔ اسمین مصنف نے دو تین ایسی نازک باتین بیان کی ہین جو بے مثل ہین ہستی کا استعارہ محفل سے کیا ہی مرنیوالا بھی جب مرتا ہے تو اُس کے دل مین بھی حسرت زندگی کا داغ ہوتا جو اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور شمع کو بھی شعرا یہ داغ کہتے ہین جب وہ بجھتی ہے تو وہ داغ اپنے ساتھ لیجاتی ہے شمع کشتہ کو بھی اٹھا دیا جاتا ہی اور مردہ بھی اٹھا دیا جاتا ہی مردہ بھی کوئی فائدہ بزم ہستی کو نہین پہونچاتا اور شمع کشتہ بھی کسی فائدہ کے پہونچانے کے قابل نہین رہتی۔ ایسے شعرون پر اُردو کی شاعری جس قدر ناز کرے کم ہی مرزا ثاقب لکھنوی کا ایک شعر ہے جس مین وہ غالب کے اس شعر کے تمام مطلب کو اگرچہ بیان نہین کرسکے مگر شعر کے اچھے ہونے مین شبہ نہین ہے ؎

ٹھہری نہ کوئی شی بھی جب ساتھ جانے والی ہستی کی انجمن سے اک داغ لیچلا مین

ایک میرا شعر ہے ؎

لیچلا باغ جہان سے گل داغ ہستی پئے یاران عدم مل گئی سوغات مجھے

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین — شایان دست و بازوے قاتل نہین رہا

میرے نزدیک تو مصنف اس مین صرف اپنی گرانجانی کا اظہار کرتا ہے اور دست و بازوے قاتل جس سے نزاکت دست و بازو مراد ہے اس کی تائید کے لیے الفاظ موجود ہین مگر نظم صاحب نے اس کی یہ شرح لکھی ہے کہ میرا حال ایسا غیر ہوا ہے کہ وہ مجھے صید زبون سمجھتا ہے یہ معنی بھی بعید از قیاس نہین ہین اس مضمون کو ایک جگہ نظیری یا فیضی کہتا ہے ؎

آن شکارم من کہ ہم لایق بہ کشتن نیستم — شرم می آید مرا زانکس کہ صیاد من است

بر روے شش جہت در آئینہ باز ہے — یان امتیاز ناقص و کامل نہین رہا

بر روے مقابل۔ شش جہت سے مراد دنیا۔ مجاز اً کیونکہ دنیا کی چھ طرفین ہین زیر بالا مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب یعنی دنیا کے مقابلہ پر ہر طرف آئینہ خانہ کھلا ہوا ہے اور اُس سے ناقص و کامل سب حیران ہین یعنی اسرار قدرت کے سمجھنے مین تمام عقلمند اور بیوقوف حیران ہین ؎ غالب

ہر ذرہ محو جلوۂ حسن یگانہ ایست — گوے طلسم شش جہت آئینہ خانہ ایست

وا کر دیے ہین شوق نے بند نقاب حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا

میرے جذب چشم شوق نے حسن کو بالکل بے پردہ کر دیا ہے اور میرے اور اُس کے درمیان مین اب کوئی حجاب حائل نہین ہے۔ اگر ہے تو صرف نگاہ ہے جس سے مین اُسکو دیکھ رہا ہون۔ نگاہ کو اس لیے حائل کہا ہے کہ وہ اُس کے جمال جہان آرا کو دیکھ نہین سکتی سعدی رح ؎

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام — آنہم امید کہ روزے ز میان برخیزد

مرزا قوی لکھنوی۔

اب دور کیا ہین جلوۂ جانان کی لذتین — اک پردہ رہ گیا ہے تو وہ بھی نگاہ کا

دل سے ہوا ے کشت وفا مٹ گئی کہ وان — حاصل سوا ے حسرت حاصل نہین رہا

میرے دل سے وفا کرنے کی خواہش مٹ گئی کیونکہ وہان یعنی معشوق کی سرکار مین سوا ے اس کے نتیجہ کی حسرت کے اور کچھ وفا کا حاصل نہین ہے یعنی حسرت حاصل وفا ہے۔

بیداد عشق سے نہین ڈرتا مگر اسد — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

اسد مین عشق کے ظلم سے نہین ڈرتا مگر افسوس یہ ہے کہ جس دل سے عشق کے ناز اُٹھاتا اور ظلم سہتا تھا اب وہ مٹ گیا۔ غالباً مصنف نے پہلے یہی مصرع کہا ہے اور اسی کی وجہ سے تمام غزل لکھی ہے پہلے مصرع مین مگر بمعنی شاید لیا جاے تو یہ مطلب ہوگا کہ شاید مین دل کی وجہ سے بیداد سے ڈرتا تھا اب دل ہی نہین پھر خوف کیسا۔

رشک کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

میرا رشک کہتا ہے کہ افسوس اُس کو غیر سے محبت ہے اور عقل کہتی ہے کہ وہ بیوفا کس کا آشنا ہے وہ جیسے تیرے ساتھ بیوفائیان کرتا ہے اُسی طرح دوسرون کیساتھ کرتا ہوگا۔

ذرہ ذرہ ساغر مے خانۂ نیرنگ ہے — گردش مجنوں بہ چشمک ہاے لیلا آشنا

دنیا کا ذرہ ذرہ بوقلمونی اور دگرگونی کے میخانہ کا ایک ساغر ہے جو انسان کو حیران و بیخود بنا دیتا ہے دیکھیے جو گردش مجنون کے لیے گردش یعنی تکلیف وہ ہے وہی گردش لیلیٰ کی آنکھون مین بھلی معلوم ہوتی ہے اور انکو پیاری ہے۔ آسی

عالم کا ہر ذرہ جو گردش و انقلاب مین مبتلا ہے یہ نیرنگ فلک کے اشارہ سے ہے۔ یہان لفظ ساغر سے معنی گردش نے تراوش کی اور اسی حالت سے نیرنگ کو میخانہ سے تعبیر کیا ہے اس کے بعد بر سبیل تمثیل کہتے ہین کہ مجنون کی گردش لیلیٰ ہی کے اشارہ سے ہے۔ از شرح نظم صاحب۔

جس طرح گردش مجنون چشم لیلےٰ کے اشارہ کی پابند تھی اسی طرح دنیا مین ذرہ ذرہ نیرنگی عالم کا تابعدار ہے حسرت۔

مین یہ نہین سمجھا ہون کہ تابعداری اور پابندی وغیرہ کے معنی کس لفظ سے مترشح ہوتے ہین۔

شوق ہے ساماں طراز نازشِ اربابِ عجز   ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

عاجزوں کے نازش کا سامان پیدا کرنے والا شوق ہے ذرّہ کو شوق صحرا بنا دیتا ہے اور قطرہ کو دریا کر دیتا ہے یعنی شوق ذرہ کو صحرا اور قطرہ کو دریا سے ملا دیتا ہے اور صحرا و دریا سے مل کر وہ خود اس لقب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے   عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

میں ہوں اور میرا دل ہے جو سلامتی اور عافیت کا دشمن ہے اور آوارگی کا دوست ہے آفت کا ٹکڑا محاورہ ہے۔

شکوہ سنجِ رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہیے   میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شکایت نکرنا چاہیے تیرا رفیق آئینہ ہے یعنی اپنے بناؤ سنگار کی وجہ سے اس کو دیکھتا ہے اور میرا رفیق زانو ہے یعنی میں ہمیشہ فکر سے سر بزانو رہتا ہوں آئینہ کو زانو سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ لہذا دونوں برابر ہیں۔

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ   سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

کوہکن عاشق صادق نہ تھا بس ایک شیریں کی تصویر کا نقاش تھا ورنہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ پتھر سے سر مارے اور آشنا پیدا نہ ہو۔ ایک جگہ کوہکن پر اور بھی آوازہ کسا ہے جو گزر چکا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ   سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

یا

عشق و مزدورئ عشرت گہِ خسرو کیا خوب   ہم کو تسلیم نکو نامئ فرہاد نہیں

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا   ہو گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

ہمارا رازدان ہمارا رقیب ہو گیا۔ کہ ہمارے معشوق کا ذکر اپنی زبان سے کرتا ہے یعنی ہم کو اتنا رشک ہے کہ اُسکا ذکر اور اُسکا نام کسی اور کی زبان سے سُننا نہیں چاہتے یا یہ کہ من حب شیأً فاکثر ذکرہ۔ ؎ میر

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا   دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

رشک سے یا تیرے نام کے اثر سے۔

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یا رب   آج ہی ہوا منظور اُنکو امتحاں اپنا

اگر ان کی غیر سے بے تکلفی نہوتی تو وہ دشمن کی بزم میں اتنی شراب کیوں پیتے اگر یہ خیال کروں کہ انھوں نے اپنا امتحان کیا ہوگا کہ دیکھوں میں کتنی شراب پی سکتا ہوں تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہی اُنکو اپنا امتحان کیوں منظور ہوا کبھی میرے یہاں تو اتنی شراب نہ پی پس معلوم ہوا کہ یہ سب میری بدقسمتی ہے اور کچھ نہیں۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے   عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

ہمارا مکان عرش پر ہے جس سے ہم اُس کی پورے طریقہ سے ماہیت نہیں معلوم کر سکتے اور اس کو دیکھ نہیں سکتے جیسے کہ آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے کیا اچھا ہوتا اگر ہمارا مکان عرش سے اُدھر ہوتا۔ کہ کسی بلندی کو ہم منظر بناتے اور اُس کی سیر کرتے مگر اب تو اُس سے اونچی کوئی جگہ ہی نہیں کہ اُسے ہم منظر بنائیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی کنہ سے بے خبر ہیں۔

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالینگے   بارے آشنا نکلا اُنکا پاسباں اپنا

اچھا ہوا کہ اُنکا دربان ہمارا دوست نکلا اب وہ جس قدر ہم کو ذلیل کرے گا ہم اُس کو مذاق میں ٹالیں گے اور دنیا کی نظروں میں سُبک نہوں گے اور کہتے رہیں گے کہ ہمارا ان کا ہمیشہ سے مذاق ہوتا ہے۔

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلادوں   انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

میرا دردِ دل ایسا نہیں ہے کہ اُس کو لکھ سکوں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ جا کر انھیں اپنی زخمی انگلیاں اور خامۂ خونچکاں دکھا دوں کہ لکھتے لکھتے میری یہ حالت ہو گئی اور کچھ نہیں لکھ سکا ابھی ایک دفتر باقی ہے۔ یا یہ کہ اُن سے کہوں کہ میں اپنا دردِ دل کیونکر لکھوں کہ میری انگلیاں اور میرا قلم میری درد انگیز داستان لکھنے سے متاثر ہو کر خونچکاں ہو گئیں۔

گھستے گھستے مٹ جاتا آپنے عبث بدلا ننگ سجدہ سے میرے سنگِ آستان اپنا

آپنے اس شرم سے کہ مجھ سے بدنصیب نے اُس پر سجدے کیے ہین اپنا سنگ آستان بدل دیا ناحق بدلا وہ پتھر میرے سجدہ کرتے کرتے خود گھِس جاتا ۔ایک جگہ یون فرماتے ہین ؎

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شکایت مین ہم نے ہمزبان اپنا

یعنی دشمن بھی دوست کی شکایت مین ہمارا ہمزبان ہے اور یہ ہماری چالاکی ہے کہ ہم نے اُس کو ملا لیا ہے اب یہ ہماری شکایت اُس سے نہین کر سکتا کہ وہ تجھے بُرا کہ رہا تھا۔

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

آسمان ہنرمندون کا دشمن ہوتا ہے مگر ہم ایسے کہان کے عقلمند اور ہنرور تھے کہ آسمان ہمارا دشمن ہو گیا ۔غالباً ہم سے اُس کی یہ دشمنی بے وجہ اور بے سبب ہے ۔مولانا عرفی فرماتے ہین کہ ؎

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

سُرمۂ مفت نظر ہون مری قیمت یہ ہے کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

مین وہ سرمہ ہون جس کی قیمت اگر ہے تو یہ ہے کہ خریدار کی آنکھ پر میرا احسان رہے سرمۂ مفت نظر کی طرف اضافت تشبیہی ہے اور ایسی اضافت کو اضافت مجازی بھی کہتے ہین ۔ اس شعر مین غالباً اپنے کلام کی طرف اشارہ ہے جس کا فیض عام ہے ۔

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم تیرے چہرے سے عیان ہو غم پنہان میرا

مجھے رونے کی اجازت دے ایسا نہو کہ میرے اس ضبط کا اثر تیرے دل پر بھی پڑے اور میرا غم تیرے چہرے سے ظاہر ہونے لگے ۔کیونکہ میرے دل کو تیرے دل سے تعلق مخفی ہے میرے مکرم اُستاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق کا ایک شعر ہے جس مین نہایت صفائی کے

ساتھ عاشق و معشوق کے تعلق باہمی کو عجیب طریقہ سے بیان کیا ہے ؎

مری گواہی کو محشر مین آپ تو آئے تری نظر سے ٹپکتا ہوا لہو آئے

غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یان بے شانۂ صبا نہین طرۂ گیاہ کا

غافل انسان کو اپنی خود آرائی کا وہم ہو گیا ہے اور کسی کام کے بننے پر وہ گمان کرتا ہے کہ یہ کام مین نے بنایا ۔مگر در اصل دنیا مین ایک کام بھی ایسا نہین ہے جو بغیر حکم الٰہی کے بنتا ہو ۔قدرت الٰہی ہر چیز کی خبر گیران ہے ۔یہان تک کہ گھاس جیسی بے قدر چیز کی مشاطگی کے واسطے بھی اُس نے صبا کو مقرر کر دیا ہے ۔خود آرائی سے یہان عام کاردانی اور کارروائی مراد ہے اور اُسی لفظی رعایت کی وجہ سے دوسرے مصرع مین اُن چیزون کا ذکر کیا گیا ہے جو حسن کو نمایان کرنے والی ہین علامہ فیضی ایک جگہ لکھتا ہے کہ ؎

بے جنبش امداد بہ دستان برگے نہ چمد درین گلستان

سعدیؒ فرماتے ہین کہ ؎

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد از کمان دار بیند اہل خرد

بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

بزم شراب سے عیش کی تمنا نہ رکھ کہ رنگ (یعنی عشرت) ایک ایسا شکار ہے جو اس دام گاہ یعنی بزم شراب سے پھڑک کر نکل گیا ہے ۔حاصل یہ کہ عیش نے بھی یہان رہنا باعث کلفت سمجھا ۔اور اب وہ یہان نہین مل سکتی یہ بھی معنی نکل سکتے ہین کہ عیش کبھی دنیا مین تھی مگر اب وہ اُٹھ گئی ۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

رحمت الٰہی اگر ہماری اس شرم کو جو ہمین گناہ کرنے سے ہے اور جس کی وجہ سے ہم گناہ کا عذر کرتے ہوے بھی شرماتے ہین قبول کرے تو کچھ عجب نہین ہے پہلے ایک جگہ ایسا ہی خیال یون ادا کر چکے ہین ؎

بے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا بخون غلطیدۂ صد رنگ دعوی پارسائی کا

واقعہ یہ ہے کہ ایک قادر الکلام شاعر ایک ہی خیال کو مختلف صورتون مین ایسے بیان کر جاتا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہین۔

مقتل کو کس نشاط سے جاتے ہین ہم کہ ہے　　پر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مین مقتل مین عجب خوشی کے ساتھ جاتا ہون کہ میری نگاہ کا دامن گل زخم کے خیال سے لبریز ہے ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہین ہم آگے　　کہ اپنے سایہ سے سر پاؤن سے ہے دو قدم آگے

جان در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد　　پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

ہوا بمعنی خواہش اور شوق۔ یعنی اسد کی جان ایک نگاہ گرم کی خواہشمند ہے اور تیرے دادخواہ کا وکیل پروانہ ہے جیسے وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جاتا ہے اسی طرح تیرا دادخواہ بھی جلنے کا متمنی ہے پروانہ کو وکیل اس لیے بنایا ہے کہ وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جانے کی معشوق کے سامنے نظیر پیش کرے۔

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا　　کہتے ہین ہم تجکو منہ دکھلائین کیا

ظلم سے وہ باز آگئے مگر کیونکر ظلم سے باز آسکتے ہین یعنی اب باز آکر کہتے ہین کہ ہم تجکو کیا منہ دکھائین کہ ہم نے تیرے اوپر بہت ظلم کیے ہین یہ بھی گویا ایک ظلم ہے۔ حاصل یہ کہ معشوق اگر چاہے بھی تو ظلم ترک نہین کر سکتا۔

رات دن گردش مین ہین سات آسمان　　ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

ہم کسی کام کے ہونے نہونے سے کیون گھبرائین سات آسمان گردش مین ہین اُن کے پھرنے اور گردش کرنے کا آخر کوئی نتیجہ ضرور ہوگا اور جو کچھ ہونا ہوگا وہ ضرور ہو کر رہیگا یا یہ کہ ہم جو زندگی سے گھبرا کر مرنے کی تمنا کر رہے ہین یہ فضول ہے سات آسمان رات دن گردش کرتے ہین آخر اُن کی گردش سے عمر ضرور تمام ہو جائے گی۔ ایک جگہ فارسی مین یہی مضمون لکھا ہے فرماتے ہین ؎

ہفت اختر و نہ چرخ خود آخر بچہ کار اند　　بر قتل من این عربدہ با یار روا نیست

اسکا دوسرا مصرع دہوکہ مین ڈالتا ہے کہ یہ مضمون دوسرا ہے مگر نفس مطلب بالکل ایک نکلتا ہے فرق یہ ہے کہ یہ خیال مکمل ادا ہوا اور دوسرا مین غیر مکمل ہے

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یونہی تمام ہوتی ہے

منشی امیر اللہ تسلیم نے اس مضمون کو نہایت ہی اچھے طریقہ سے ادا کیا ہے اگرچہ بادی النظر مین دہوکا ہوتا ہے کہ کچھ اور معنی ہین۔ مگر دراصل مطلب یہ ہے ؎

آسمان گردش مین ہین میرے ستانے کیلئے　　چکیان نو چل رہی ہین ایک دانہ کے لئے

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجہین لگاؤ　　جب نہو کچھ بھی تو دہوکا کھائین کیا

اگر اُس کو ہمارے ساتھ دشمنی بھی ہو تو بھی ہم اپنے دل کو سمجھا لین کہ اُس کو ہم سے محبت ہے مگر جب وہان نہ عداوت ہے نہ محبت پھر کیونکر دہوکا کھائین ایک جگہ فرماتے ہین کہ

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے　　کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

وارستہ اس سے ہین کہ محبت ہی کیون نہو　　کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیون نہو

ہو لئے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ　　یا رب اپنے خط کو ہم پہونچائین کیا

نامہ بر کو خط دیکر ہم اُس کے ساتھ کیون ہو لیے یا اللہ یہ ہمین کیا ہو گیا کیا ہم اپنے خط کو آپ پہونچائین۔ اس سے کمال رشک اور جنون کا اظہار دونون مطلب لیے جا سکتے ہین۔

موج خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے　　آستان یار سے اُٹھ جائین کیا

چاہے ہم قتل ہی کیون نہ ہو جائین مگر اُس کے در سے نہ اُٹھین گے کیا تحقیر کے لئے ہے کہ کیا اس ڈر سے ایسا کرین ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسد　　اس مین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ　　مر گئے پر دیکھئے دکھلائین کیا

تمام عمر ہم نے مرنے کی راہ دیکھی اب دیکھئے مرنے کے بعد ہم کیا رنگ دکھاتے ہین یا یہ کہ عمر بھر انھون نے ہم کو مرنے کی راہ دکھائی اب دیکھئے مر جانے پر ہم کو کیا دکھاتے ہین۔

موخر الذکر معنون پر مولانا نظم اور حسرت صاحب دونون متفق ہین مگر مجھے شعر کے مصرع اولیٰ کو دیکھتے ہوئے ان معانی کا یقین نہین آتا۔

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے ۔۔۔ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائین کیا

وہ لوگون سے میری بینوائی اور عشق وغیرہ کا تذکرہ سنکر پوچھتے ہین کہ غالب کون ہے اب کوئی ہمین یہ بتائے کہ اُسے ہم کیا بتائین کہ غالب کون ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتا ہے ؎

زمردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بین ۔۔۔ کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

مگر غالب کے مصرع ثانی کا جواب نہین ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہین سکتی ۔۔۔ چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

لطافت کا بغیر کثافت کے لطف نہین آسکتا۔ آئینۂ باد بہاری ایک نہایت ہی لطیف شی ہے مگر بغیر زنگار چمن کے اُس کا جلوہ نہین ہوسکتا۔ اور اُس کا مزا نہین ہے جلوے کے لغوی معنی ظاہر ہونے کے ہین اس لحاظ سے شعر کا یہ مطلب ہے کہ لطافت کا اظہار بغیر کثافت کے نہین ہوسکتا جب تک زنگار چمن (سبزہ زار) نہ ہوا اُس وقت تک آئینہ باد بہاری کو کوئی نہین دیکھتا۔ حاصل یہ کہ یہ دونون باہم متعلق اور لازم و ملزوم ہین ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر ۔۔۔ تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

یا یون کہئے آئینہ باد بہاری پر زنگ لگا تو سبزہ زار پیدا ہوا۔

حریف جوشش دریا نہین خودداری ساحل ۔۔۔ جہان ساقی ہو تو باطل ہے دعوی ہوشیاری کا

حریف ہم پیشہ کو کہتے ہین چونکہ دو ہم پیشہ اکثر ایک دوسرے پر تفوق اور امتیاز ڈھونڈنے کی وجہ سے دشمن ہوجاتے ہین اس لیے بے تکلف اس کے معنی مجازی دشمن کے قرار دیدیے گئے ہین یہان یہی معنی مقصود ہین چنانچہ کہتے ہین کہ ساحل اگرچہ خوددار ہے مگر اسکی خودداری جوشش دریا کی حریف بن کر مقابلہ نہین کرسکتی ایسے ہی جس بزم مین تو ساقی ہو

وہان ہوشیاری کا دعوی بے بنیاد اور باطل ہے۔ گویا دعوی ہوشیاری ایک ساحل خودداری ہے۔ اور تیری ساقی گری جوشش دریا ہے۔ اس جوشش کے سامنے اُس ساحل ہوشیاری کو مجبوراً غرق آب ہونا پڑتا ہے۔ ایک جگہ علی الرغم یون فرمایا ہے

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی ۔۔۔ جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

شرح اس کی پہلے لکھی گئی ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہوجانا ۔۔۔ درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

قطرہ جب دریا مین مل جاتا ہے تو بظاہر فنا ہوجاتا ہے کیونکہ پھر اُس کو کوئی قطرہ کے نام سے نہین پکار سکتا مگر یہ فنا دراصل اُس کی بقا کا موجب ہے کیونکہ ظاہر ہے بالکل علیحدہ رہ کر وہ مٹ جاتا اور اب دریا مین مل کر وہ مٹ نہین سکتا صرف اس کا نام تبدیل ہوگیا ہے۔ اسی صورت سے جب درد حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو بظاہر فنا کردیتا ہے مگر دراصل وہ درد کی دوا ہوجاتا ہے اور فنا کرکے عالم بقا مین پہونچا دیتا ہے۔ سید محمد حسین کوثر لکھنوی کا شعر ہے ؎

آخر غم فراق ہی راحت فزا ہوا ۔۔۔ جب درد بڑھ گیا تو وہی اک دوا ہوا

تجھ سے قسمت مین مری صورت قفل ابجد ۔۔۔ تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہوجانا

قفل ابجد اُس تالے کو کہتے ہین جسے بنانے والا کوئی کلمہ لکھدیتا ہے جب اُس کلمہ کے حروف کو متفرق کردیتے ہین تو وہ قفل بند ہوجاتا ہے۔ اور جب انھین حرفون کو جمع کرکے وہ کلمہ بناتے ہین جو واضع نے اسپر کندہ کیا ہے تو قفل کھل جاتا ہے اسی طرح مصنف اپنی قسمت کو اس سے مشابہ کرتا ہے کہ میری قسمت مین یہ لکھا تھا کہ جب تیرے ملنے کی تدبیر بن پڑے تب ہی تو مجھ سے جدا ہوجائے کیسی اوشاعر نے اس کا چربہ اُتارا ہے ؎

قفل ابجد کی طرح تھی مری قسمت شاید ۔۔۔ بنتے ہی بات کے ہوتا ہے وہ عیار جدا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت مین تمام ۔۔۔ مٹ گیا گھسنے مین اس عقدہ کا وا ہوجانا

کشمکش فکر علاج مین دل تمام ہوگیا۔ گویا کھولنے کی فکر مین یہ گرہ مٹ گئی اور
ناخن تدبیر نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دل کی عقدہ سے نہایت اچھی تشبیہ ہے۔

ب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ   اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

تو پہلے ہماری وفا کے بدلے مین ہمپر جفا کرتا تہا مگر تو نے جب دیکھا کہ ہم جفا کو بھی
خوشی سے برداشت کرتے ہین تو تو نے جفا سے بھی ہاتھ اٹھا لیا اُف ارباب وفا سے
اور سچے عاشقون سے اس قدر دشمنی۔ اللہ اللہ از راہ استعجاب کہا گیا ہے۔ ایک جگہ
اور بھی فرماتے ہین ؎

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ   ہم کو حریص لذت آزار دیکھکر

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا   باور آیا ہمین پانی کا ہوا ہو جانا

یہ مسئلہ کہ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہماری سمجھ مین نہ آیا تہا۔ اور ہم کہتے تھے کہ ایک
عنصر دوسرا عنصر کیونکر بن سکتا ہے۔ مگر اب ہم کو یقین آگیا اور ہم سمجھے کہ یہ ٹھیک اور صحیح ہے پانی
ہوا ہو سکتا ہے۔ پہلے جب ہم مین طاقت تہی تو نالہ کرتے تھے مگر اب ضعف کی حالت مین ہم
نالہ نہین کر سکتے صرف آہ ہو سکتی ہے تو معلوم ہوا کہ وہی پانی (نالہ) اب ہوا (آہ) کی صورت
مین بدل گیا ہے ایک جگہ ہوا کو پانی اس صورت سے بنایا ہے ؎

ز نالہ کار بہ اشک اوفتاد و دل خون باد   ز شرم بے اثری ہا فغان من آب است

فغان سے مراد آہ و نالہ ہے جو ایک ہوا ہے یا ہوائی کیفیت ہے اس مین اشک و نالہ
کی تفریق سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہان رونے کو جس مین آنسو بھی ہوتے
ہین نالہ نہین کہا ہے۔ بلکہ مراد آہ و فغان سے ہے اگرچہ یہ ایک جدا اور نیا مضمون ہے
مگر مناسب محل سمجھ کر لکھدیا گیا۔ ایک جگہ مرزا ثاقب اسی زمین مین ایک شعر مین مسئلہ استحالہ عناصر یون
بیان کرتے ہین ؎ خاک بھی اس دل سوزان کی یا ملی نہ کہین ۔ تجھے معلوم آذر شرارہ کا ہوا ہو جانا
یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ غالب کی تقلید کی گئی ہے مگر جس خوبی سے کہ یہ مضمون غالب کے یہان
ادا ہوا ہے مرزا ثاقب اس صورت سے ادا نہین کر سکے مطلع ہمین ثاقب صاحب نے خوب
فرمایا ہے اگرچہ ہمین بھی غالب کا تتبع ظاہر ہے ؎ دل کا یا کیونکر وفا ہے کہ فنا ہو جانا ۔ درد کو حکم قضا کہ دوا ہو جانا

دل سے مٹنا ترے انگشتِ حنائی کا خیال   ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

میرے دل سے تیرے انگشت حنائی کا خیال ٹمنا ایسا سخت دشوار ہو گیا جیسے کہ گوشت سے
ناخن کا جُدا ہونا دشوار ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ نہایت مناسب ہے

ہے مجھے ابر بہاری سے برسکر کھلنا   روتے روتے غم فرقت مین فنا ہو جانا

میرے لیے روتے روتے غم فرقت مین فنا ہو جانا ایسا باعث انبساط ہے جیسے ابر کو برس کر
کھُلنا۔ واضح ہو کہ برس کر کھُلنا اوس جگہ بولتے ہین جب ابر خوب برسا ہو۔ اس شعر مین تشبیہ
پیدا ہو گئی ہے۔

گر نہین ہے گُلِ تر کو ترے کوچہ کی ہوس   کیون ہے گردِ رہ جولان صبا ہو جانا

اگر گلِ تر کو تیرے کوچہ مین جانے کی ہوس نہین ہے تو کیا سبب ہے کہ وہ ہوا کی گردِ راہ بنتی ہے
یعنی وہ ہوا مین کیون شامل ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فعل اُس کا محض اس لیئے ہے
کہ چونکہ صبا کا ہر جگہ گذر ہوتا ہے اور یہ اُس کوچہ مین بھی جائیگی تو اس بہانہ سے مین بھی
وہان پہونچ جاؤنگی۔

تا کہ تجھ پر کھُلے اعجازِ ہوائے صیقل   دیکھ برسات مین سبز آئینہ کا ہو جانا

اگر تو چاہے کہ ہوا۔ یعنی خواہش اور عشق کے اعجاز کو دیکھے تو برسات مین آئینۂ فولادی کو
دیکھ کہ اُسپر زنگ لگ جاتا ہے۔ یہ زنگ محض جذب عشق صیقل کی وجہ سے ہے کہ
زنگ لگے گا تو صیقل ضرور کیجائیگی۔ نیز اس مین آئینۂ معشوق بھی اور عاشق بھی
دونون طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گُل ذوق تماشا غالب   چشم کو چاہیئے ہر رنگ مین وا ہو جانا

جلوۂ گُل میرے دل مین اشتیاق دید پیدا کرتا ہے لہذا آنکھ کو ہر صورت مین کھُل جانا چاہیئے
اور گلہائے رنگا رنگ کی سیر کرنا چاہیئے۔ یعنی انسان کو ہر فن مولا بنکر زندگی بسر کرنا چاہیئے

یا یہ کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ تقاضہ کرتا ہے کہ آدمی چشم بینا سے اُسکو دیکھے اور صانع حقیقی کو پہچانے - یا یہ کہ آنکھ باغ جہان کی ہر رنگ کو دیکھے -

(ردیف ب)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب   دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پھر وہ وقت آیا کہ بطِ مے (یعنے صراحی جو بشکل بط ہو) پرواز کرے اور بطِ مے کو جو شناوری بطِ مے کو دوست رکھتا ہے - شنا کرنے یعنی تیرنے کے لیے موج شراب یا دریاے مواج شراب عنایت کرے - ظاہر ہے کہ بط ایک دریائی جانور ہے اور وہ اکثر تالابون جھیلون دریاؤن وغیرہ مین رہتا ہے - حاصل یہ کہ پھر فصل بہار آئی چاہئے کہ شراب کا دور چلے - بطِ مے کی بال کشائی کو دور شراب سے استعارہ کیا ہے -

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن   سایۂ تاک مین ہوتی ہی ہوا موجِ شراب

ارباب چمن (باغ کے سر سبز درخت) سیہ مست - بہت مست - تاک انگور کی ٹٹیان مطلب یہ ہے کہ جوانان چمن جو سیہ مست ہو رہے ہین اسکی وجہ نہ پوچھ - بات یہ ہے کہ سایۂ تاک کی ہوا موج شراب کا اثر رکھتی ہی - چونکہ یہ اُس سایہ تلے ہو کر گذرے ہین اسوجہ سے بدمست ہو ہو کر جھوم رہے ہین - سیہ مست اسوجہ سے کہا ہے کہ درختون کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے اور یہ تشبیہ بے مثال ہے

جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے   سر سے گذرے پہ بھی ہی بال ہما موجِ شراب

حالانکہ پانی مین غرق ہو جانا باعث موت ہے مگر یہان معاملہ برعکس ہے کہ اگر موج شراب سر سے بھی گذر جائے تو گویا جسکے سر سے وہ موج گذرے اُسکے سر پہ سے ہما گذرا جس کا سایہ پڑنا اور سر سے گذرنا رسائی بخت کی دلیل ہے - موج شراب کا سر سے گذرنا - نشہ چڑھنے یا اُس کے پیچھے تباہ ہونے کے بھی معنی پیدا کرتا ہے -

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہی اگر   موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

یہ برسات وہ موسم ہے کہ اسکی بہار سے جب بہت سی کیفیتون اور بہت سی اشیا مین انقلاب پیدا ہو جاتا ہی تو اِس بات کو دیکھتے ہوے کیا تعجب ہی کہ ہواے بہار فیض موج ہستی کو موج شراب بنادے - چونکہ ہواے بہار بھی نشاط آور ہے اور شراب بھی باعث سرور ہے اسواسطے مبالغہ مین یہ صورت پیدا کی گئی - موج ہستی اِس لیے کہا گیا کہ دنیا بھی گذران ہے - اور یہ تشبیہ بالحرکت ہے جو نہایت لطیف ہے -

چار موج اُٹھتی ہین طوفانِ طرب سے ہر سُو   موجِ گُل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

طوفان طرب سے ہر طرف چار موجین اُٹھتی ہین اور انکا ہر طرف جوش ہے - موج گُل یعنی چار طرف رنگا رنگ پھول کھلے ہوے ہین (موج شفق) آسمان پر ہر طرف شفق پھولی ہوئی ہے (موج صبا) ہر طرف نسیم خوشگوار اٹھکھیلیان کرتی پھرتی ہی اور جا بجا شراب کا دور ہے - مصنف نے اس شعر مین بہار کی تصویر کھینچ دینی ہی

جس قدر روحِ نباتی ہی جگر تشنۂ ناز   دے ہی تسکین بہ دمِ آبِ بقا موجِ شراب

روح نباتی یعنی سبزہ جسقدر جگر تشنۂ ناز ہے یعنی سبزہ جسقدر لہلہانا چاہتا ہے - اور نمو اور ناز کی خواہش رکھتا ہے اُسیقدر موج شراب اپنے آب بقا کے گھونٹون سے اُسکو تسکین اور تقویت دیتی ہی -

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک مین خون ہو ہو کر   شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

بادہ شراب انگور کی بیلو مین خون ہو ہو کر دوڑ رہا ہے - تو گویا اُس کا وہ دوڑنا پرواز کرنا ہے اور یہ رنگینی پر پرواز ہے جو بیلوں کے پتّون وغیرہ پر ظاہر ہے تو گویا یہ رنگ موج شراب ہے - مولانا نظم نے لکھا ہے کہ لفظ خون مین اعلان نون فصیح ہے - اور اکثر فصحا بغیر اعلان اسکو استعمال بھی نہین کرتے - مگر میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے دونون صورتون مین فصیح ہے - عرفی ایک جگہ کہتا ہے - ؎